رفعتوں کی تلاش

www.freepdfpost.blogspot.com

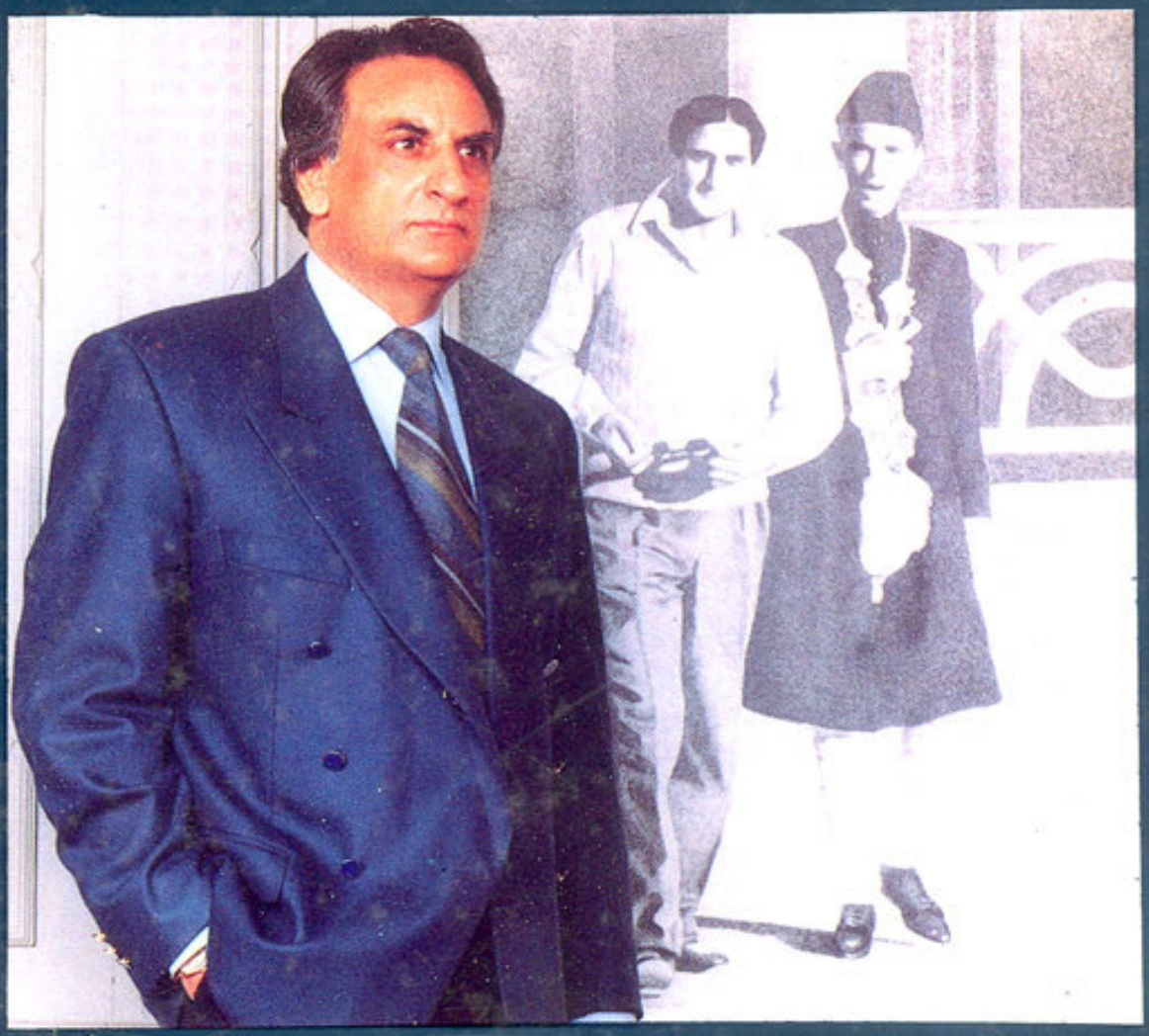

اسد اللہ غالب

رفعتوں کی تلاش

www.freepdfpost.blogspot.com

رفعتوں کی تلاش

اسد اللہ غالب

جملہ حقوق محفوظ

تعداد اشاعت: ایک ہزار

سال اشاعت: 1996ء

کمپوزنگ: طیبہ کمپوزنگ پوائنٹ

ناشر: گرین ورلڈ، 223۔ ممدوٹ بلاک، مصطفیٰ ٹاؤن، لاہور

طابع: محمود کمبوہ پرنٹر، 16 میکلوڈ روڈ، لاہور

ہول سیل ایجنٹ: الفیصل، ناشران وتاجران کتب، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

قیمت: 200روپے

www.freepdfpost.blogspot.com

امتیاز رفیع بٹ کے نام

جس نے

اپنے والد کی تلاش کے سفر میں

اپنے آپ کو بھی پالیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

حسن ترتیب

1۔ پیش لفظ	9
2۔ آغاز سفر	15
3-تاریخ کی گواہی	25
4-جناح رفیع خط و کتابت	41
5-ایک شام، رفیع بٹ کے نام	63
6-قائداعظم کا اقتصادی خواب	81
7-خواب کی تعبیر	123

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

پیش لفظ

"رفعتوں کی تلاش" ایک ایسی داستان ہے جس میں ایک غیر فانی جذبہ کارفرما دکھائی دے رہا ہے۔ اس کا ہر کردار ایک ایسے گوہر تابدار کی تلاش میں سرگرداں ہے جسے ماضی کے اندھیروں نے چھپا رکھا ہے۔ آخر کار ان سب کی مسلسل جدوجہد اور ذوق جستجو نے اسے تلاش کر ہی لیا۔

عجیب اتفاق ہے کہ ایک ایسا نوجوان جس نے اپنے باپ کو دیکھا تک نہیں ہے' وہ ابھی چند مہینوں کا بچہ تھا کہ اس کا والد فضائی حادثہ کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ایک دوست کو اپنے دفتر میں کھانے پر مدعو کرتا ہے۔ کمرہ میں ہر سو مختلف تصویریں لگی ہوئی ہیں۔ ان تصاویر میں ایک خوش پوش نوجوان مختلف اشخاص کے ساتھ جن میں ہندو' سکھ' انگریز اور مسلمان موجود ہیں' دیکھنے میں آرہا ہے۔ یہ سب لوگ اپنے زمانہ کے بڑے صنعت کار' جاگیردار' سیاستدان اور بیوروکریٹس ہیں۔ سب سے قابل کشش وہ تصویریں ہیں جن میں وہ قائد اعظم محمد علی جناح کے ساتھ باتیں کرتا دکھائی دے رہا ہے۔۔۔۔ 'یہ حسین و جمیل نوجوان مرحوم رفیع بٹ ہے۔'

جب ان تصویروں کو اس کا مہمان دیکھتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے اور اس نادر چھپے ہوئے قیمتی قومی خزانے کو قوم کے سامنے لانے کے لئے بے

تاب ہو جاتا ہے۔ یہ مہمان' نوجوان صحافی عارف نظامی ہے اور میزبان' امتیاز رفیع بٹ (جو مرحوم رفیع بٹ کے صاحبزادے ہیں)۔

رفیع بٹ کو جہان فانی سے کوچ کئے ہوئے چالیس برس گذر چکے ہیں' امتیاز کو اپنے مرحوم باپ کے متعلق کچھ زیادہ علم نہیں ہے کہ ان کی زندگی کے شب و روز کس انداز سے گذرے ہیں۔ وہ کیسی شخصیت کے مالک تھے' کوئی اسے بتانے والا نہیں ہے۔ "تاریخ" خموشی اختیار کئے ہوئے ہے' حالانکہ اسے اس ابھرتے ہوئے درخشندہ ستارے کو پوری آب و تاب کے ساتھ پیش کرنا چاہئے تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

خیر اب یہ فریضہ امتیاز نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک صحافی کا انتخاب کیا ہے جو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ صحافی 'اسد اللہ غالب' ہے۔ جو اپنی پوری توجہ اور انتھک جدوجہد سے ان گم شدہ اوراق کو جن کا تعلق مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ہے' حاصل کرنے میں بڑی حد تک کامیاب رہا ہے۔

یہ اسی کی کوششوں کا ثمر ہے کہ اس نے ماضی کے تاریک سایوں کو ایسا دور کیا ہے کہ ان کے چھٹ جانے سے ایک ایسا چمکدار موتی نمودار ہوا ہے جس کی تلاش میں ایک یتیم بیٹا برسوں سے اسے حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگی کی بازی لگائے ہوئے تھا۔

یہ وہی رفیع بٹ ہیں جو قائد اعظم کے معتمد ساتھیوں میں سے ہیں جن پر قائد کی نظریں لگی ہوئی تھیں۔ قائد سمجھتے تھے کہ ظہور میں آنے والے پاکستان میں صنعت و حرفت کا نام و نشان نہیں ہو گا' اس نوجوان کا تجربہ' اپنے

مشن سے محبت اور قوم کی خدمت کا انمٹ جذبہ جو قدرت نے اسے عطا کیا ہوا ہے' ان سب خوبیوں کی بدولت یقیناً وہ ان علاقوں میں فیکٹریوں کا جال بچھانے میں کامیاب ہو گا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

رفیع بٹ مرحوم نے تھوڑی سی مدت میں فطری صلاحیت کی وجہ سے عقل و دانش کی ایسی شمعیں روشن کی تھیں کہ ہر دیکھنے والی آنکھ حیران و ششدر رہ جاتی تھی۔ یاس و ناامیدی رفیع بٹ کی زندگی سے کوسوں دور تھی۔ وہ ایک متحرک اور جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے۔ لاہور کے ہوٹلوں' سٹیفلز اور نیڈوز کی شامیں جب یاد آتی ہیں تو دل کی کئی کہانیاں اداس کر جاتی ہیں۔ یہ چند سطور لکھتے ہوئے جب میں ماضی میں جھانکتا ہوں تو بیتے دنوں کی وہ یادیں جو اب سو چکی ہیں اور وہ کھوئے ہوئے حسین و جمیل اور دلنواز لمحات لمحہ بہ لمحہ مجھے اس زمانہ میں لئے جا رہے ہیں' جب مرحوم کی لطافت' شیریں بیانی اور بے باکانہ انداز گفتگو ان صحبتوں کی جان ہوا کرتی تھی۔ وہ دوستوں کی محفلوں میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ وہ ہر محفل میں جان محفل ہوا کرتے تھے۔ ان کا دوستوں سے سلوک قابل رشک تھا۔ گو وہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی رفعتوں کی خوشبو دل و دماغ کو معطر کئے ہوئے ہے۔

ایک انگریز شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔۔!

"Sweetest things have fleetest end

Their scent survives their close."

(رس بھری جوانیاں قضا کے ہاتھوں گو ختم ہو جاتی ہیں
لیکن اس کے باوجود ان کے کارناموں کی خوشبو ان کو
ہمیشہ زندہ رکھتی ہے۔)

میں امتیاز رفیع بٹ کی محبت کو سلام پیش کرتا ہوں کہ ایک ایسا فرمانبردار بیٹا جس نے باپ کو دیکھا تک نہیں ہے' ایک ایسے جذبے سے سرشار تھا کہ وہ ہر صورت میں اپنے مرحوم باپ کے بارے میں تمام معلومات حاصل کرے گا اور ان کی زندگی کی ادھوری تصویر کو پورا کرے گا اور ان کے کارناموں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائے گا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

آج وہ کامیابی سے ہمکنار ہو رہا ہے اور اس کے جذبات حقیقت بن کر دنیا کے سامنے "رفعتوں کی تلاش" کی صورت میں نمایاں طور پر جگمگا رہے ہیں۔

آخر میں آج کے نوجوانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ "رفعتوں کی تلاش" کا ضرور مطالعہ کریں۔ یہ ایک سبق آموز اور جرات مندانہ انداز فکر اپنانے کی داستان ہے۔

ملک غلام نبی

لاہور

14 اگست 1996ء

www.freepdfpost.blogspot.com

قائد اعظم کے دیگر جانثاروں اور معتمد ساتھیوں کی طرح رفیع بٹ بھی تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئے' چالیس برس بعد ان کے بیٹے امتیاز رفیع بٹ نے اپنے والد کی جستجو کا آغاز کیا.... تحقیق و تفتیش کے اس صبر آزما اور دقت طلب عمل میں نہ صرف رفیع بٹ کی عظمتیں آشکارا ہوئیں بلکہ خود امتیاز رفیع بٹ پر رفعتوں کے در وا ہو گئے....

آگہی کے اس دوہرے سفر کی ڈرامائی تفصیلات.....

www.freepdfpost.blogspot.com

آغاز سفر

www.freepdfpost.blogspot.com

دسمبر ۱۹۸۹ء کی ایک دوپہر کا ذکر ہے' میں حسب معمول نوائے وقت کا اداریہ لکھنے میں مصروف تھا' معاً دفتر کا ایک قاصد آیا اور اس نے کہا:۔"عارف نظامی صاحب بلا رہے ہیں۔" میں چوتھی منزل پر عارف صاحب کے کمرے میں پہنچا' وہ اکیلے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے:۔"ہال روڈ پر ایک نوجوان امتیاز رفیع بٹ کے دو پلازے واقع ہیں' انہی میں سے ایک پر ان کا دفتر ہے جس میں ان کے والد رفیع بٹ کی بہت سی تاریخی تصاویر آویزاں ہیں' بعض تصاویر قائد اعظم کے ساتھ بھی ہیں' آپ ان سے جاکر ملیں اور ان کے والد اور قائد اعظم کے مابین تعلقات پر مبنی ایک فیچر قائد اعظم ایڈیشن میں اشاعت کے لیے دیں۔"

عارف نظامی کی یہ بات مکمل ہونے تک میرے ذہن میں امتیاز رفیع بٹ کا ناک نقشہ گھوم گیا۔ ہو نہ ہو' کہیں یہ وہی نوجوان تو نہیں جو ۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں میاں نواز شریف کے ایک قریبی دوست کی حیثیت سے ان کے ساتھ نظر آیا کرتا تھا' وہاں چند اور نوجوان بھی تھے' ان میں سے کیپٹن طارق قریشی تو باقاعدہ میاں نواز شریف کے انتخابی دفتر کا انچارج تھا اور

سردار شوکت حیات کا صاحبزادہ سردار سکندر حیات اپنی ساری توانائیاں میاں صاحب کی انتخابی مہم میں جھونک چکا تھا۔ ایک نوجوان خواجہ حامد بھی ہوا کرتا تھا جو مجھے خواجہ زبیر کے دفتر میں بھی دکھائی دیا کرتا تھا۔ میں ان نوجوانوں کو چار کا ٹولہ کہا کرتا تھا' وہ سائے کی طرح میاں نواز شریف کے ساتھ چپکے رہتے تھے۔ امتیاز رفیع بٹ ان دنوں مجھے بتا چکا تھا کہ وہ سکول میں میاں نواز شریف کا ہم جماعت رہ چکا ہے۔

۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۹ء تک حالات بڑی تیزی سے تبدیل ہوتے رہے۔ میں "جنگ" کو خیرباد کہہ کر واپس نوائے وقت آ چکا تھا' پہلے تو وہی پرانا منصب ملا یعنی میگزین ایڈیٹر' لیکن ایک روز نوائے وقت کے اداریہ نگار بشیر احمد ارشد میرے پاس سخت اضمحلال کی کیفیت میں آئے۔ اور کہنے لگے :۔ "اب کبھی کبھی ویکلی آف کی ضرورت پڑتی ہے' ایک روز کے لئے میرے متبادل کے طور پر اداریہ لکھ دیا کرو۔" ارشد صاحب نے جس محبت سے تعاون کی درخواست کی تھی' میرے لئے کوئی عذر پیش کرنا ممکن نہ ہوا۔ میں یہ بھی نہ کہہ سکا کہ نوائے وقت کا اداریہ اور میں۔۔۔ یہ تو ایک بہت بڑا چیلنج تھا لیکن میں نے ارشد صاحب جیسے بزرگ کو ریلیف دینے کے لیے ان کی ویکلی آف کے روز اداریہ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

یہ سلسلہ ابھی دو ماہ ہی چلا تھا کہ ایک روز ارشد صاحب میرے پاس میگزین سیکشن میں پھر آئے۔ ان کی حالت خاصی بگڑی ہوئی تھی۔ کہنے لگے :۔ "ایسا نہیں کر سکتے کہ ایک دو روز میری جگہ پر آ جاؤ' میں چھٹی لے کر

علاج کروا لوں۔" ارشد صاحب چھٹی پر کیا گئے کہ اگلے روز صبح سویرے ان کی اندوہناک موت کی خبر سننے کو ملی۔ میرا خیال تھا کہ ارشد صاحب کے جنازے سے فارغ ہوکر میرا ان سے ذاتی طور پر اور ان کے فرائض منصبی سے دفتری طور پر تعلق ختم ہوجائے گا' لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا' ارشد صاحب سے تعلق ان کی اولاد کی معرفت آج بھی قائم ہے' رہے ان کے فرائض' تو محترم مجید نظامی نے مجھے ان کی جگہ کام جاری رکھنے کو کہا' یوں میں میگزین ایڈیٹر سے اخبار کے ڈپٹی ایڈیٹر کے طور پر اداریہ نویسی کی دنیا میں کھو کر رہ گیا۔

اداریہ نویسی باقی سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ چند قریبی دوستوں کے سوا کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ آپ خیر سے کسی اخبار میں ملازم بھی رہے ہیں یا نہیں۔ میں نے ۸۵ء کے انتخابات میں روزنامہ جنگ کی طرف سے پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتے ہوئے میاں نواز شریف اور دیگر سیاسی شخصیتوں کے ساتھ بہت قریب ہوکر کام کیا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے ان سب کے چہرے تو یاد رہ گئے اور ان لوگوں نے بھی شاید میرا نام اور چہرہ بھلا دیا تھا۔ اسے بے وفائی تو نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ عدم تعلقات کار والا معاملہ ہوتا ہے۔

مجھے عارف نظامی نے امتیاز رفیع بٹ سے ملنے کو کہا تو میں اسی سہ پہر ہال روڈ پر زیتون پلازہ چلا گیا۔ اس شتابی کی ایک وجہ تو ایک پرانے شناسا چہرے کو دوبارہ دیکھنے کا شوق بھی ہوسکتی ہے لیکن دوسری اور اصل وجہ پیشہ ورانہ مجبوری تھی۔ اخبار کے قائد اعظم ایڈیشن کے پریس میں جانے میں

صرف چار روز باقی تھے۔ اور اس مختصر ترین مدت میں مجھے امتیاز رفیع بٹ سے مل کر ان کے والد رفیع بٹ اور قائد اعظم کے باہمی روابط اور تعلقات پر ایک فیچر بھی تحریر کرنا تھا۔ عارف نظامی صاحب کی یہی ہدایت تھی۔

میں ہال روڈ کی بھیڑ کو چیرتا ہوا زیتون پلازہ کی سیڑھیاں چڑھ کر آخری منزل پر پہنچا تو دروازہ کھلنے پر میرے سامنے سلیقے سے سجا ہوا ایک وسیع دفتر تھا' ہر طرف باوردی ملازم اور وہ بھی بڑے ہی مئودب' ایک نوجوان نے امتیاز رفیع بٹ کے کمرے تک میری رہنمائی کی۔ یہ کمرہ بیرونی لابی سے بھی زیادہ زرق برق اور سجا ہوا تھا۔ ایک کونے میں خوبصورت میز' اس کے سامنے بس دو کرسیاں' باقی کونوں میں صوفے' بڑے دبیز' پس منظر میں ہلکی ہلکی موسیقی۔ میں نے ایک کونے میں جھانکا تو ایک لمحے کے لئے اپنی جگہ پر ساکت و جامد ہو کر رہ گیا' سامنے وہی ۸۵ء کی انتخابی مہم والا امتیاز اور اس کے ساتھ کیپٹن طارق قریشی۔ ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھے جا رہے تھے اور ہنسی رکنے کا نام نہیں لیتی تھی۔

ہم تینوں کے ذہنوں میں پانچ سال پہلے کی رفاقت کی یادیں تازہ ہو گئی تھیں' اس پانچ سال کے عرصے میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا تھا' پہلے تو میں نے یہ سنا تھا کہ میاں نواز شریف نے پنجاب کے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد اپنے پرانے قریبی دوستوں سے ملاقات آہستہ آہستہ ترک کر دی تھی' پھر میاں صاحب کی منتخب حکومت ٹوٹ گئی لیکن وہ نگران وزیر اعلیٰ بن گئے۔ ۸۸ء کے انتخابات انہی کی نگرانی میں ہوئے۔۔۔ اس وقت تک میاں نواز

شریف کے ارد گرد مشیروں کا ایک وسیع حلقہ موجود تھا' پر خلوص دوستوں کی جگہ مفاد پرست پیشہ ور ماہرین نے لے لی تھی۔ یاروں نے بہت زور لگایا کہ وہ میاں صاحب کو وزیر اعظم بنوا دیں لیکن پنجاب کی وزارت اعلیٰ ہی ان کا ایک بار پھر مقسوم ٹھہری۔ یہ ایک الگ کہانی ہے اور یہ وقت اس تفصیل میں جانے کے لیے مناسب نہیں۔ خیر' کچھ دیر تو ہم تینوں دوستوں نے اس گزرے ہوئے زمانے کو یاد کیا' لیکن میں نے درمیان میں ٹوکتے ہوئے امتیاز سے کہا کہ وہ فیچر کے لیے مواد فراہم کریں۔

کہنے لگے :۔ "یہاں عارف نظامی کھانے پر آئے تھے' وہ تصویریں دیکھ کر کہنے لگے' یہ تو نادر ذخیرہ ہے' ان پر فیچر بن سکتا ہے۔ انہوں نے جاکر آپ سے کہہ دیا' ہمیں تو کچھ پتہ نہیں کہ فیچر کیا بلا ہوتی ہے اور اس کے لئے تفصیلات کہاں سے دیں۔"

میں نے کہا کہ آپ کے والد رفیع بٹ اور قائد اعظم کے باہمی روابط کیسے استوار ہوئے' ان کے باہمی میل جول کا باعث کیا تھا' ان کی ملاقاتوں کی تفصیل کیا ہے' کوئی تاریخی دستاویزات ان تصاویر کے علاوہ ہوں تو مجھے دے دیں۔

امتیاز نے کہا :۔ "آپ بڑی گہری اور دور کی باتیں کرتے ہیں' مجھے سوائے اس کے کچھ پتہ نہیں کہ رفیع بٹ میرے والد تھے' میں تو ان کی وفات کے وقت چند ماہ کا بچہ تھا' میری والدہ مجھے بتایا کرتی تھیں کہ گھر میں قائد کی کچھ

خط و کتابت اور دیگر دستاویزات موجود تھیں لیکن ان کو سنبھالنے کا ہوش کسے تھا۔"

میں نے پوچھا :۔"آپ کے والد کب اور کن حالات میں فوت ہوئے؟"

امتیاز نے کہا :۔"میری یادداشت میں صرف یہ ہے کہ قیام پاکستان کے فوری بعد کوئی ہوائی جہاز تباہ ہوا تھا، جس میں بہت سی دیگر نامور شخصیات بھی لقمہ اجل بن گئیں۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

تو گویا میری ریسرچ کی ابتداء اس ہوائی حادثے سے ہونا تھی، میں نے مزید گپ شپ ختم کی۔ دفتر واپس گیا۔ ریکارڈ روم بند ہونے میں کچھ دیر تھی۔ ۴۸۔۱۹۴۷ء کی نوائے وقت کی فائلیں منگوائیں۔ پتہ چلا کہ کل دو سالوں کی صرف ایک فائل میں کچھ پرچے موجود ہیں، میں نے انہیں غنیمت جانا اور اس فائل کی ورق گردانی شروع کر دی۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ فائل میری کسی طرح مدد کر سکے گی، اول تو ممکن تھا کہ حادثے کے روز کا اخبار موجود نہ ہو، دوسرے کیا یقین کہ خبر فلیش بھی ہوئی تھی یا نہیں۔ لیکن ابھی میں نے ایک چوتھائی صفحات ہی الٹ پلٹ کئے تھے کہ نوائے وقت کی لوح کے نیچے پوری آٹھ کالمی سرخی تھی "وہاڑی کے نزدیک جہاز کی تباہی، رفیع بٹ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل تھے۔" خبر کی مزید تفصیل دیکھی، مرنے والوں میں ایک سے ایک بڑھ کر مشہور و معروف شخصیت تھی لیکن رفیع بٹ

سب سے معروف شخصیت جس کا نوائے وقت نے اپنی شہ سرخی میں ذکر کیا تھا جبکہ باقی افراد کا ذکر محض خبر کے متن میں تھا۔ صرف یہی نہیں' اس اخبار کے صفحہ اول پر ایک خصوصی شذرہ تحریر کیا گیا تھا جس میں صرف اور صرف رفیع بٹ کی وفات حسرت آیات پر گہرے رنج و غم اور تاسف کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رفیع بٹ کا موت کے وقت مقام و مرتبہ ایسا تھا کہ نوائے وقت نے ان کے سانحہ ارتحال پر صفحہ اول پر خصوصی شذرہ لکھنا ضروری خیال کیا۔

میں نے فوراً میاں محمد شفیع (م۔ ش)' عبداللہ ملک اور ممتاز احمد خاں سے ٹیلی فون پر رابطہ پیدا کیا۔ سب نے میری معلومات میں بہت کم اضافہ کیا' تاہم تینوں کی رائے تھی کہ اسلام آباد میں ملک تاج الدین سے رابطہ کر کے کافی تفصیلات لی جاسکتی ہیں' میں نے ملک تاج الدین کا ٹیلی فون نمبر تلاش کیا' ان کو فون کیا' وہ مغرب کی نماز پڑھ رہے تھے۔ ٹھہر کر پھر فون کیا' کہنے لگے: "میری یادداشت ختم ہوتی جارہی ہے' کچھ زیادہ مدد نہیں کر سکتا' حافظہ پر زور بھی دوں تو دو چار ہفتوں میں چند صفحات لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔" میں نے کہا: "چند صفحات تو ضرور درکار ہیں لیکن اگلے ایک دو روز کے اندر۔" کہنے لگے: "پھر میری طرف سے معذرت!"

میں اگلی صبح دفتر پہنچا تو میری میز پر فیکس سے موصول شدہ کئی صفحات رکھے تھے' یہ رفیع بٹ کے بارے میں ملک تاج الدین کی یادوں کی تفصیلات تھیں۔ میں نے ملک صاحب کو شکریے کے لئے دوبارہ اسلام آباد

فون کیا' ملک صاحب لائن پر آئے' کہنے لگے :"بیٹا !رات کو تم نے رفیع بٹ کا نام کیا لیا' گویا میری رگ جاں کو چھیڑ دیا۔ نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی' رفیع بٹ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں نے کاغذ قلم پکڑا۔ لکھنا شروع کر دیا اور صبح تک جو کچھ یاد آیا' تمہیں لکھ کر فیکس کر دیا۔ اب تمہارا کام ہے کہ اس میں سے کچھ استعمال کرو یا نہ کرو۔" اس فیکس کو پڑھنے کے بعد میں نے لاہور میں م۔ ش' عبد اللہ ملک' ممتاز احمد خاں اور ڈاکٹر ضیا الاسلام سے پھر فون پر رابطہ کیا اور ملک تاج الدین نے جو واقعات بیان کئے تھے' ان پر تبادلہ خیال کیا۔

اس طرح قائد اعظم ایڈیشن کے لئے ڈیڈ لائن ختم ہوتے ہوتے مجھے اپنا پہلا فیچر مرتب کرنے میں آسانی ہوگئی۔ یہ فیچر اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمایئے۔۔۔۔۔

www.freepdfpost.blogspot.com

تاریخ کی گواہی

www.freepdfpost.blogspot.com

قائد اعظم کی قربت کا اعزاز جن خوش نصیبوں کو ملا' ان میں رفیع بٹ کا نام سرفہرست رہے گا۔ وہ تقسیم سے قبل پنجاب کے مسلم طبقے میں صنعتی ترقی کی معراج پر تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہر شعبے میں ہندو کی بالادستی تھی اور کسی مسلمان کے لئے اس میدان میں آگے بڑھنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن رفیع بٹ کی صلاحیتیں شکست کے لفظ سے آشنا ہی نہ تھیں اور جب کم سنی میں انہوں نے اپنے والد غلام نبی بٹ کے ساتھ کاروبار سنبھالا تو کسی کو بھی یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مختصر عرصے میں نہ صرف صنعت میں نام کمائے گا بلکہ مسلمانان ہند کے ممدوح لیڈر حضرت قائد اعظم کی میزبانی کا شرف بھی حاصل کرے گا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اپنے اسلاف کی تاریخ محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام نہیں دیا اور آج بہت کم لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ حضرت قائد اعظم جو اپنے دوستوں اور قریبی رفقا کے انتخاب میں بہت محتاط تھے' وہ بنفس نفیس لاہور میں فیروز پور روڈ پر موجودہ گارڈن ٹاؤن کے علاقے میں واقع "غلام نبی اینڈ سنز" میں تشریف لے گئے اور یہاں رفیع بٹ سے ان کی ملاقات ایک قریبی رفاقت کا حرف آغاز ثابت ہوئی۔ ممتاز احمد خاں سے

جب میں نے رفیع بٹ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا: "وہ پنجاب کے ایک ابھرتے ہوئے صنعت کار تھے، بہت ہی وجیہہ، خوش خصال اور دوست نواز انسان"۔ "آپ کا ان سے تعارف کیسے ہوا؟" میں نے ان سے اگلا سوال داغ دیا۔ کہنے لگے :۔ "میں ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کا واحد مسلمان رپورٹر تھا، اس کا دفتر مال روڈ پر فضل دین کے پیچھے واقع تھا جہاں ملک تاج الدین جو اب میرے لئے ایک بزرگ اور محترم کی حیثیت رکھتے ہیں، نے رفیع بٹ سے میرا تعارف کرایا۔ پہلی ملاقات ہی میں وہ دوسرے کو گرویدہ بنا لیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ہر شام کو چیئرنگ کراس میں واقع ہوٹل لورینگ میں اخبار نویسوں اور دیگر دوستوں کی محفل برپا ہوتی، رفیع بٹ اس گروپ کے میزبان ہوتے تھے، یہاں سیاست کا ہر پہلو زیر بحث آتا اور آئندہ کی حکمت عملی طے کی جاتی۔"۔ "قائد اعظم سے ان کی رفاقت کی کوئی یاد؟" میرے اس سوال کے جواب میں ممتاز احمد خاں نے کہا: "سب سے بڑا واقعہ تو یہ تھا کہ بابائے قوم ایک بار خود اپنے دیگر قریبی رفقا کے ہمراہ رفیع بٹ کے کارخانے میں گئے اور وہاں کھانے میں شرکت کی۔ جس کے بعد رفیع بٹ نے مسلم لیگ کے لئے بہت بڑی رقم کی تھیلی کا نذرانہ بھی پیش کیا۔ قائد اعظم کے اس فیکٹری میں جانے کی ایک وجہ تو ان کی رفیع بٹ سے دوستی تھی۔ دوسرے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی صنعتی ترقی کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ قائد کو جہاں بے لوث سیاسی کارکن عزیز تھے جو دن رات مسلم لیگ کا پیغام عام کرنے میں مصروف تھے، اسی طرح انہیں ایسے مسلم صنعت کاروں سے بھی قریبی شغف تھا جو مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کا باعث تھے۔ رفیع بٹ سے جس قدر ہو سکا، انہوں نے حضرت قائد اعظم سے

دامے درمے سخنے تعاون کیا۔ میں رفیع بٹ کو قائد کے ایک دوست اور پنجاب کے اقتصادی افق پر ایک روشن ستارے کی حیثیت سے ہمیشہ دل کی گہرائیوں سے عزت و تکریم دیتا رہوں گا۔"

م۔ ش کا کہنا ہے :"رفیع بٹ میزبان صفت' دریا دل اور فیاض شخصیت تھے۔ تحریک پاکستان سے انہوں نے ٹھوس اور بامعنی تعاون کیا"۔

ملک تاج الدین' رفیع بٹ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ دونوں نے شیرانوالہ گیٹ سکول سے اکٹھے میٹرک پاس کیا اور جب ملک صاحب ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کی رپورٹنگ کے لئے شملہ' دہلی اور بمبئی میں دس سال رہ کر لاہور واپس آئے تو ان کی ملاقات باغ جناح میں اپنے پرانے دوست سے ہوگئی جو اس وقت تک لاہور شہر کے ہی نہیں شمالی ہند کے ایک نامی گرامی صنعت کار بن چکے تھے۔ ملک تاج الدین کا کہنا ہے کہ انہوں نے اپنے دوست کو مسلم لیگ کے مقاصد میں دلچسپی لینے کے لیے کہا اور انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے' ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ ملک صاحب بعد میں قائد اعظم اور رفیع بٹ میں ملاقات کا ذریعہ بنے اور اس ملاقات کے نتیجے میں قائد جب دوبارہ لاہور آئے تو رفیع بٹ کی فیکٹری میں تشریف لے گئے۔ یہ کوئی معمولی اعزاز نہیں تھا جو لوگ قائد اعظم کے کردار اور ان کی طبیعت سے آگاہ ہیں' وہی جانتے ہیں کہ قائد کے قریب جانا کس قدر مشکل تھا۔ نامی گرامی لوگ وقت مانگتے رہ گئے لیکن قائد کے قریب نہ پھٹک سکے۔ اور ادھر رفیع بٹ کی خوش قسمتی تھی کہ قائد خود ان کی فیکٹری میں کھانے پر گئے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ملک تاج الدین کا کہنا ہے کہ بعد میں مسلم لیگ کے مقاصد کے لیے انگریزی اخبار کے اجراء کی ضرورت محسوس ہوئی تو قائد اعظم کی اس خواہش کی تکمیل کے لئے رفیع بٹ نے بھی لبیک کہی اور یوں وہ دس رکنی بورڈ آف گورنرز میں شامل ہوئے۔ قائد کی قربت اور مسلم لیگ کے معاملات میں دلچسپی کی وجہ سے رفیع بٹ کو ایک مرحلے میں خیال آیا کہ وہ باقاعدہ سیاست میں آجائیں لیکن قائد اعظم نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تاکہ وہ صنعت و حرفت کے شعبے پر پوری توجہ دیں اور مسلمانوں کی صنعتی ترقی کی بنیادیں مضبوط کریں۔ قائد اعظم کی نظر مستقبل پر تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جب مملکت خداداد پاکستان کا قیام عمل میں آئے تو یہ صنعتی ہنرمندی سے بھی مالامال ہو اور بھارت کے مقابلے میں مسلمانان پاکستان اپنے پاؤں پر جلد کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں۔

رفیع بٹ کی کاروباری صلاحیتوں کا ایک زمانہ معترف تھا۔ انہوں نے پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور گڑھی شاہو کی ایک چھوٹی سی فیکٹری سے کام کا آغاز کرتے ہوئے فیروز پور روڈ پر وسیع جگہ پر کارخانہ لگایا اور پھر اس کی شاخیں بمبئی اور دہلی میں قائم کیں۔ ان کارخانوں میں سرجری کا سامان بنتا تھا اور جنگ عظیم کی وجہ سے اس کی مانگ میں بھی دگنا چوگنا اضافہ ہوا۔

میسرز غلام نبی اینڈ سنز میں قائد اعظم کی تشریف آوری مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۴۲ء

رفیع بٹ کا شمار پنجاب کے اونچے متمول طبقے میں تھا اور ہندو، سکھ، انگریز سبھی ان کی دوستی کا دم بھرتے تھے، حکومت وقت میں ان کے بہت سے دوست تھے اور ان کے ساتھ ان کا روزانہ کا میل ملاپ تھا لیکن یہ صرف معاشرتی ربط تھا جبکہ غیر مسلم دل سے ان کے خلاف تھے اور وہ مسلم لیگ کی جو مدد کر رہے تھے اور اس کی طاقت کا منبع تھے، اس کی وجہ سے انہیں ہندو انتہا پسندوں نے اپنی ہٹ لسٹ پر رکھا اور دو مرتبہ ان پر قاتلانہ حملے بھی ہوئے جن میں معجزانہ طور پر وہ بچ گئے۔ کشمیری ہونے کے ناطے رفیع بٹ نے کشمیری لیڈروں سے بھی روابط بڑھائے اور جسٹس دین محمد سے ان کے گہری قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ اس طرح امرتسر کے معروف صنعت کار شیخ صادق حسن سے بھی ان کی دوستی تھی اور ان احباب کے ساتھ مل کر انہوں نے کشمیریوں کی ترقی و اصلاح میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

رفیع بٹ کے جو دیگر احباب اب زندہ ہیں، وہ بڑھاپے کی ایسی منزل پر ہیں کہ حافظے پر زور دینے کے باوجود قائد اعظم کے دست راست اور اپنے دوست کے بارے میں کچھ زیادہ بتانے سے قاصر ہیں۔ رفیع بٹ کے چھوٹے بھائی تقی بٹ کافی عرصہ ملک سے باہر رہے ہیں اور یوں خاندانی میراث کو محفوظ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رفیع بٹ کے صاحب زادے امتیاز اپنے والد کی الم ناک رحلت کے وقت چند ماہ کے تھے، ان کا کہنا ہے کہ خاندانی کاغذوں میں ان کے والد اور قائد کے درمیان خط و کتابت اور نادر تصاویر کا ذخیرہ تھا جو عدم توجہی کا شکار ہو گیا اور اب اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خط و کتابت ہماری تاریخ کی ایک قابل قدر

میراث ہے اور اگر اتفاقاً کہیں محفوظ ہو تو اسے آج کی نوجوان نسل تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔

پاکستان بن گیا' قائد کی جدوجہد پھل لے آئی' مسلمانان ہند کی زندگی کا یہ عظیم انقلاب تھا۔ پاکستان نے مسلمانوں کی زندگی بدل ڈالی تاہم اس کے لیے ہر ایک کو بہت بڑی قربانی دینا پڑی تھی۔ رفیع بٹ بھی اس سے متاثر ہوئے۔ ہندوستان بھر میں ان کا کاروبار پھیلا ہوا تھا جو یکایک جمود کا شکار ہو گیا تھا۔ قائد اعظم نے ان کی قابل قدر خدمات کے پیش نظر انہیں کسی بھی ملک میں سفارت کی پیش کش کی' تاہم رفیع بٹ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ بغیر محنت کے روٹی کھائیں۔ انہوں نے قائد سے درخواست کی کہ وہ اپنے کاروبار کو از سر نو کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ رفیع بٹ کی صلاحیتوں پر کسی کو شک کی گنجائش نہ تھی۔ انہوں نے متحدہ ہندوستان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں صنعت کاروں اور معروف شخصیات کی آل انڈیا ٹریڈ ڈائریکٹری شائع ہوئی۔ اس میں راجوں' مہاراجوں' نوابوں سے لے کر صنعت کاروں' ساہو کاروں اور سیاست دانوں کا تذکرہ شامل تھا۔ اس ڈائریکٹری کا انتساب رفیع بٹ کے نام پر ان الفاظ میں کیا گیا تھا: "رفیع بٹ کے نام، نوجوان صنعت کار اور صوبے کی کاروباری دنیا کا میگنٹ جو فطری صلاحیتوں' کاروباری شعور اور ترقی پسندانہ سوچ اور فکر کی وجہ سے محض بڑی بڑی فیکٹریوں اور دفاتر کا مالک ہی نہیں بلکہ عظیم احترام اور وقار کا مالک بھی ہے۔"

انتساب کے سامنے پورے صفحے پر رفیع بٹ کی تصویر ہے اور اندرونی صفحات میں حروف ابجد کی ترتیب سے ان کا درج ذیل تفصیلی تعارف شامل ہے۔۔۔۔۔

"محمد رفیع بٹ' مالک غلام نبی اینڈ سنز' مرحوم میاں غلام نبی کا فرزند۔ پیدائش ۱۹۱۰ء۔ پندرہ برس کی صغر سنی میں والد کا کاروبار سنبھالا۔ والد کی وفات پر خاندان کا سارا بوجھ ان کے کندھوں پر آن پڑا اور وہ اپنی ذمہ داریوں سے بخوبی عہدہ برآ ہوا۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ کاروبار پر مرکوز کی اور ۱۹۳۱ء میں اس کو جدید خطوط پر استوار کر لیا۔ انہوں نے اپنے بھائیوں محمد حنیف بٹ اور محمد تقی بٹ کو بھی ساتھ شامل کر لیا اور انہیں عملی تربیت کے مواقع فراہم کیے۔ اول الذکر بمبئی آفس کا انچارج ہے اور دوسرا ہیڈ آفس میں کام پر ہے۔ ۱۹۳۷ء میں سٹیل انڈسٹری اور سرجیکل آلات کی اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ انگلینڈ گئے اور برمنگھم میں سر کیننگ کی زیر ہدایت تربیت پائی جو شہر کے لارڈ میئر اور بہت بڑی فیکٹریوں کے مالک تھے۔ انہوں نے یورپ میں بھی بعض فیکٹریوں کا معائنہ کیا۔ واپسی پر میوروڈ کی فیکٹری کو ماڈرن بنایا اور فیروز پور روڈ پر کئی لاکھ روپے کی لاگت سے بہت بڑی فیکٹری تعمیر کی جس کو انڈیا بھر میں سب سے بڑا کارخانہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ فیکٹری میں اچھی تنخواہیں دی جاتی ہیں اور منظم طریقے سے کام لیا جاتا ہے۔ جنگ شروع ہونے کے بعد انہیں ہسپتالوں میں سرجیکل آلات اور سامان کی فراہمی کے ٹھیکے ملے ہیں اور یوں جنگ میں انہیں خدمات انجام دینے

www.freepdfpost.blogspot.com

کا موقع میسر آیا ہے۔ وہ حکومت ہند کے میڈیکل ایڈوائزری بورڈ کے غیر سرکاری رکن اور سنٹرل ایکسچینج بنک لمیٹڈ کے چیئرمین ہیں۔"

تاریخ اس نوجوان مسلم صنعت کار کو کبھی فراموش نہیں کرے گی جس نے انتہائی مشکل اور نامساعد حالات میں مسلمانان ہند کی ترقی اور قوت کے لیے اپنی صلاحیتوں کا بہترین استعمال کرتے ہوئے سرجیکل انڈسٹری میں ایک ایمپائر کھڑی کی اور دوست دشمن سے اس کا لوہا منوایا۔ رفیع بٹ نے نہ صرف مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی جدوجہد کی تقویت بخشی بلکہ ان کی فیکٹریوں اور دفاتر اور کاروبار کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کو حصول روزگار کے وسائل بھی میسر آئے۔ قائد اعظم سے ان کی ملاقاتوں اور خط و کتابت کی تفصیلات ہنوز ایک سربستہ راز ہیں لیکن ایک چیز واضح ہے کہ وہ اصفہانی اور ہارون کی طرح مسلم لیگ سے مالی تعاون میں پیش پیش رہے۔ قائد سے ان کی ملاقاتیں کشمیر میں بھی ہوئیں اور ان مواقع پر محترمہ فاطمہ جناح بھی موجود تھیں۔ ان ملاقاتوں کے نتیجے میں کشمیریوں کی آزادی کی جدوجہد کو منظم کیا گیا' یہ تفصیلات تاریخ کے ایک طالب علم کے لیے انتہائی دلچسپ اور اہمیت کی حامل ہیں۔ رفیع بٹ قیام پاکستان کے بعد اپنے تباہ حال کاروبار کو زندہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے دلی اور بمبئی میں بڑے بڑے گودام بھارت کے قبضے میں چلے گئے تھے' انہیں ایک لحاظ سے سب کچھ از سرنو منظم کرنا تھا اور ان کی خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر یہ ناممکن کام نہیں تھا لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قیام پاکستان کے صرف ایک سال بعد ۱۹۴۸ء میں وہ پاک ائر ویز کے جہاز میں کراچی سے لاہور کے لئے سفر کر رہے تھے کہ وہاڑی کے مقام

پر جہاز کے حادثے میں جاں بحق ہوگئے۔ ۲۸ نومبر اتوار کو روزنامہ نوائے وقت کے صفحہ اول پر یہ خبر شہ سرخی کے ساتھ یوں شائع ہوئی۔

"پاک ایئرویز کا طیارہ لاہور آتے ہوئے راستہ میں گر کر پاش پاش ہو گیا۔ تمام مسافر ہلاک۔ مسٹر رفیع بٹ بھی ہلاک ہوگئے۔

لاہور ۲۶ نومبر۔ آج رات گئے یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی کہ پاک ایئرویز کا ایک طیارہ جو صبح آٹھ بجے کراچی سے لاہور روانہ ہوا تھا' راستہ میں وہاڑی ضلع ملتان کے قریب دن کے گیارہ بجے گر کر پاش پاش ہوگیا۔ عملہ جہاز کے پانچ ارکان اور سولہ مسافر اس حادثہ کی نظر ہوگئے۔ کراچی کی ایک اطلاع کے مطابق پاکستان کے مشہور کارخانہ دار مسٹر رفیع بٹ بھی اس جہاز میں سفر کر رہے تھے۔"

خبر کے متن میں آگے چل کر عملہ کے ارکان اور بعض مسافروں کے نام دیئے گئے ہیں۔ ان میں سر ولفرڈ گریس سیکرٹری محکمہ خوراک' مسٹر جان پیٹی انسپکٹر جنرل جنگلات' کیپٹن اسماعیل ڈپٹی ڈائریکٹر شہری ہوابازی' لیفٹیننٹ جنرل ایم ایچ محمود انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات اور کئی دیگر نام شامل ہیں لیکن رفیع بٹ کے عزت و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نوائے وقت کی خبر کی شہ سرخی میں ان کا نام شامل کیا گیا۔ اسی پر بس نہیں'

نوائے وقت لاہور

DAILY NAWA-I-WAQT LAHORE

پاک ایئرویز کا طیارہ گر کر پاش پاش ہو گیا! اکیس اشخاص کی افسوسناک ہلاکت!

پاک ایئرویز کا طیارہ لاہور آتے ہوئے راستہ میں گر کر پاش پاش ہو گیا

تمام مسافر ہلاک۔ مسٹر رفیع بٹ بھی ہلاک ہو گئے

[illegible]

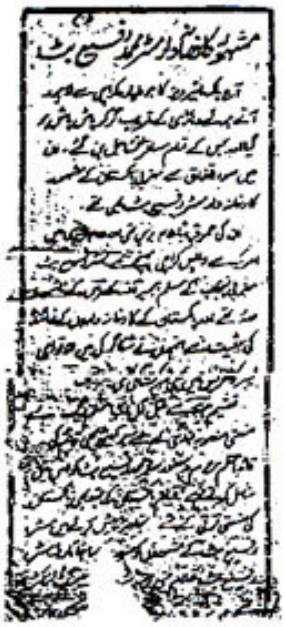

مشہور کارخانہ دار مسٹر محمد رفیع بٹ

[illegible]

Nawa-i-Waqt 27 November 1948

اسی روز کے اخبار کے صفحہ اول پر ہی ایک علیحدہ سیاہ باکس میں نامہ نگار خصوصی کے حوالے سے درج ذیل نوٹ شائع ہوا :۔۔۔

"آج پاک ایئرویز کا جو طیارہ کراچی سے لاہور آتے ہوئے وہاڑی کے قریب گر کر پاش پاش ہو گیا اور جس کے تمام مسافر لقمہ اجل بن گئے' ان میں سوئے اتفاق سے مغربی پاکستان کے مشہور کارخانہ دار مسٹر رفیع بٹ بھی تھے۔ وہ حال ہی میں امریکہ سے واپس پہنچے تھے۔ مسٹر رفیع بٹ مغربی پنجاب کے مسلم چیمبر آف کامرس کے نائب صدر تھے اور پاکستان کے کارخانہ داروں کے نمائندہ کی حیثیت سے انہوں نے شکاگو کی بین الاقوامی لیبر کانفرنس میں بھی شرکت کی تھی۔"

تقسیم ہند سے قبل آل انڈیا مسلم لیگ نے صنعتی منصوبہ بندی کے لئے جو کمیٹی بھی قائم کی' قائد اعظم مرحوم و مغفور مسٹر محمد رفیع بٹ کو اس میں شامل کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد بھی پاکستان کی صنعتی ترقی کے لیے تجاویز پیش کرنے میں مسٹر رفیع بٹ کے مشوروں کو ضروری سمجھا جاتا رہا۔ مسٹر رفیع بٹ غلام نبی اینڈ سنز کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے۔"

اسی روز کے اخبار کے اندرونی صفحات پر کراچی سے اے پی کی خبر میں باقی اصحاب کا تذکرہ اور حکومت پاکستان کی طرف سے اس حادثہ فاجعہ پر گہرے تاسف کا اظہار شائع کیا گیا۔ اس صفحہ پر ایک الگ خبر یوں تھی :۔۔۔

www.freepdfpost.blogspot.com

"لاہور کارپوریشن کا اجلاس ملتوی

لاہور۔۲۷ نومبر۔ وہاڑی کے نزدیک کل طیارہ کے حادثہ میں جو لوگ ہلاک ہوگئے تھے' ان میں لاہور کارپوریشن کے کونسلر مسٹر رفیع بٹ بھی تھے' چنانچہ آج لاہور کارپوریشن کا اجلاس کسی سرکاری کارروائی کے بغیر ملتوی ہوگیا۔ ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ہلاک ہونے والوں کے پسماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کیا گیا"

اگلے روز کے اخبار میں سیکرٹری ویسٹ پنجاب سٹیل کارپوریشن لمیٹڈ ۶ گنگارام ٹرسٹ بلڈنگز دی مال لاہور کے حوالے سے ایک تعزیتی خبر شائع کی گئی تھی جس کے مطابق "یہ دردناک خبر سنتے ہی کمپنی نے اپنا دفتر مال روڈ پر اور سٹیل سٹاک یارڈ بادامی باغ میں فی الفور بند کر دیئے' کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر اور دوسرے ڈائریکٹروں اور سٹاف نے مرحوم کے بھائی مسٹر تقی بٹ کے پاس جاکر فاتحہ خوانی اور تعزیت کی۔"

نوائے وقت کی ان خبروں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسٹر رفیع بٹ کس عزت و تکریم کے مالک تھے۔ ان کے کارنامے تاریخ کے دھندلکے میں روپوش ہیں اور نئی نسل اپنے اسلاف کے روشن کارناموں سے بالکل بے خبر ہے۔ ان بزرگوں کے پوری قوم اور ملت اسلامیہ پر عظیم احسانات ہیں اور انہیں گمنامی کے پردے سے نکالنا ہمارا بنیادی فرض ہے۔

رفیع بٹ کی زندگی مختصر ثابت ہوئی لیکن جب کچھ کرنے کا ولولہ ہو تو وقت کی طنابیں پھیل جاتی ہیں۔ ۳۸ برس کی زندگی تک رفیع بٹ نے رفعتوں کا سفر طے کر لیا تھا لیکن ان کے خوابوں کی مملکت پاکستان کی تعمیر و ترقی کا کام تو ہنوز شروع ہوا تھا اور یہی حسرت لئے وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی وفات حسرت آیات سے جو خلا واقع ہوا' وہ نئی نسل کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔"

جناح رفیع خط و کتابت

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

یہ فیچر نوائے وقت میں کیا شائع ہوا' امتیاز رفیع بٹ کا عظیم الشان ماضی ہمک کر اس کے سامنے آگیا۔ یہ سب کچھ اس کے لئے نیا تھا' انجانا تھا' ناقابل یقین تھا' اس فیچر نے امتیاز کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا' وہ کشمیری گھرانے کا چشم و چراغ ہونے کے ناطے خوبصورت' وجیہ اور بانکا نوجوان تو تھا ہی لیکن اس فیچر نے اس کا کھلنڈرا پن بھی ختم کر دیا' اس کے چہرے پر متانت کی گہری تہہ چڑھ گئی۔ امتیاز کے لیے ہست و بود کے معانی بدل گئے تھے' اپنے ماضی کی تلاش کا جنون اس کے سر پر کیا سوار ہوا کہ وہ دوستوں یاروں سے بھی ناطہ توڑ بیٹھا۔ وہ اپنی جڑیں تلاش کرنا چاہتا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے پرزہ جوڑ کر اپنے ماضی کی تصویر مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ریسرچرز کی ایک ٹیم کی مدد لی' لاہور شہر کے سینکڑوں افراد کے انٹرویو ریکارڈ کروائے۔ جس جس سے رفیع بٹ کے بارے میں کچھ بھی پتہ چل سکتا تھا' اس نے ان کے دروازوں پر دستک دینے میں عار نہ سمجھی' امتیاز کی پیاس تھی کہ بجھنے نہ پاتی تھی' اس کی جستجو تھی کہ ختم ہونے کو نہ آتی تھی' اگلا مارچ آیا تو اسے

اپنی محنت کا پہلا پھل مل گیا۔ رفیع بٹ کے لیے حکومت پنجاب نے تحریک پاکستان میں خدمات کے عوض گولڈ میڈل دینے کا اعلان کیا اور امتیاز نے عظیم باپ کا تحفہ سر جھکا کر اپنے گلے میں پہنا۔ لیکن امتیاز کی یہ منزل تو نہیں تھی' اسے تو اپنے باپ کی زندگی کے کتنے ہی انجانے گوشوں کو تلاش کرنا تھا۔ شبیر زیدی نے امتیاز کی بنیادوں تک پہنچنے کے لئے جو کردار ادا کیا' وہ اپنی جگہ پر قابل ستائش ہے۔ لیکن وہ کسی صلے کی تمنا اور کسی ستائش کی پروا کئے بغیر مختلف کتب خانوں اور آرکائیوز میں مارا مارا پھرتا رہا۔ اگست ۹۰ء تک جناح رفیع خط و کتابت امتیاز کے ہاتھ لگ چکی تھی' اس سے قائد اور رفیع کی قربت کا اندازہ لگانے میں مدد ملی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس خط و کتابت کی اشاعت کا اعزاز مجھے ملے' امتیاز نے اپنی زندگی کا یہ قیمتی سرمایہ میرے حوالے کر دیا اور میں نے اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر نوائے وقت کے اگست ۹۰ء کے ہی ایک جمعہ میگزین میں اشاعت کے لئے دے دیا۔ ان خطوط کی تاریخی اہمیت اپنی جگہ پر واضح ہے' ذرا ان پر نظر ڈالئے اور دیکھئے رفیع بٹ اور قائد کے درمیان کوئی پردہ اور کوئی تکلف حائل نہیں ہے :۔۔

قائد رفیع بٹ خط و کتابت

۲۳۔۴۔۴۳

مکرمی قائد اعظم!

دہلی میں مسلم لیگ کے اس اہم سالانہ اجلاس کی کامیابی کے لئے میری نیک خواہشات قبول کریں۔ میں نے آپ سے ملاقات کے لئے آنے کا

پروگرام بنایا تھا لیکن میری حالیہ علالت کے باعث ڈاکٹروں نے بھی مشورہ دیا ہے کہ میں سفر سے پرہیز کروں۔ میری نیک خواہشات اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

مخلص

رفیع بٹ

پروپرائٹر سرجیکل فیکٹری

۲۲ جنوری ۱۹۴۴ء

مکرمی قائد اعظم!

میں اخبارات کے ذریعے مسلم لیگ کے اجلاس کی کارروائی سے مسلسل آگاہی حاصل کرتا رہا ہوں۔ میری بدقسمتی ہے کہ غیر متوقع اور اچانک مصروفیات کی وجہ سے اجلاس میں شرکت نہ کر سکا۔

میں نے ۲۶ دسمبر ۱۹۴۳ء کو منظور کی گئی قراردادوں کا نہایت دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے۔ میں آپ کی ان کوششوں کا معترف ہوں جو آپ مسلمانوں کو اس ارفع سطح پر لانے کے لئے کر رہے ہیں جہاں ان پر انگشت نمائی نہ کی جائے اور پاکستان میں ہماری برادری کے لئے اقتصادی، سماجی ترقی اور سرکاری سطح پر صنعت کاری کا جو پروگرام بنایا ہے، وہ خصوصاً تعریف و توصیف کا مستحق ہے۔

پنجاب کو بڑے سود مند طریقے سے صنعتی اور تجارتی ترقی کا علاقہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ خوش قسمتی سے ہم پنجابی نہ صرف یہ کہ ہر قسم کے

منصوبے کے لیے جذبہ رکھتے ہیں بلکہ ہم سخت اور محنت طلب کام کی بے پناہ استعداد بھی رکھتے ہیں۔ اس جنگ کے دوران یہ صحیح وقت ہے جب آپ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر سکتے ہیں اور غیر اقوام کے ہم پلہ صنعت کو فروغ دے سکتے ہیں۔

صنعتی اور تجارتی شعبوں میں اپنے کم تجربے کے باوجود آپ کی رہنمائی میں مسلمانوں (بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں) کے لئے کوئی کام کر سکوں تو میرے لئے باعث فخر ہو گا۔ اس عظیم مقصد کی خاطر میں پانچ سو روپے کا ایک چیک بھیج رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ جب آپ آئندہ لاہور آئیں گے تو میرے لئے کچھ وقت نکال سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم رفیع بٹ

۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء

ڈیئر مسٹر بٹ!

۲۲ جنوری کے خط کا شکریہ! میری یہ خواہش تھی کہ آپ اجلاسوں میں آنے کی تدبیر کرتے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اچانک مصروفیات کی وجہ سے نہیں آسکے۔ کراچی میں آپ کے بھائی سے میری ملاقات ہوئی اور ان سے تعارف حاصل کر کے مجھے بہت مسرت ہوئی۔

آپ نے لیگ کے فنڈ کے لئے دوسری مرتبہ چندے کے طور پر ۵۰۰ روپے کا جو چیک بھیجا ہے، وہ مجھے مل گیا ہے، میں اس کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جہاں تک "پلاننگ کمیٹی" کا تعلق ہے اور آپ نے اس ضمن میں ہماری مدد کی جو پیشکش کی ہے' وہ یقینی طور پر میرے ذہن میں رہے گی۔ میری آپ سے یہ درخواست بھی ہے کہ ہمیں ایسے دیگر افراد کے بارے میں بھی معلومات فراہم کریں جو اس کام میں ہماری مدد کر سکیں۔ یہ بہت اہم ہے اور مجھے خوشی ہے کہ آپ کو اس چیز کا احساس ہے۔ براہ کرم مطلع کریں' مجھے تاجروں' فنی ماہرین اور سائنس دانوں کی ضرورت ہے۔

میں آئندہ جب لاہور آؤں گا تو آپ سے مل کر بات چیت کر کے مجھے خوشی ہوگی۔

نیک تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم اے جناح

۱۷ فروری ۱۹۴۴ء

محترم قائد اعظم!

میں ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کے خط کے لئے آپ کا شکر گذار ہوں اور تاخیر سے اس کا جواب دینے پر مجھے افسوس ہے' لیگ کی پلاننگ کمیٹی کے غور کے لئے ایک میمورنڈم پیش کر کے مجھے خوشی ہوگی جس میں ان خطوط کی نشاندہی کی جائے جن پر صنعتی ترقی سے ہماری برادری کو فائدہ ہو سکتا ہے اور ایک صنعت کار اور شمالی بھارت میں مسلمانوں کے واحد بنک' سنٹرل ایکسچینج

بنک لمیٹڈ کے چیئرمین کے طور پر حاصل شدہ تجربے کی بنیاد پر میں ہر طرح کی مدد اور معاونت پیش کرتا ہوں۔

یہ بہت تکلیف دہ بات ہے کہ ہم صنعتی اور تجارتی شعبے میں بہت پیچھے ہیں اور یہاں پنجاب میں ہمارے پاس چند ہی لوگ ہیں جو اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں۔ ان میں سے سربر آوردہ شخصیت لاہور کے سر مراتب علی کی ہے۔ میں آپ کو ان چند افراد کے ناموں سے بھی آگاہ کر رہا ہوں جو میرے خیال میں اس سکیم کے لئے کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں :۔

۱۔ شیخ صادق حسن آف امرتسر (ٹیکسٹائلز)

۲۔ میاں نصیر احمد آف لائل پور (جننگ اینڈ فلور ملز)

۳۔ خواجہ محمد صدیق آف بھیرہ (ہائیڈ سکن اینڈ لیدر انڈسٹری)

۴۔ مسٹر عبد الحمید خان آف ایچ خان اینڈ سنز ' انجینئرز اینڈ مینو فیکچرز (میٹل کرافٹ)

یہ بات بھی افسوس ناک ہے کہ ہم نے اب تک بہت کم سائنس دان پیدا کیے ہیں۔ میں میاں افضل حسین کا نام آپ کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں جنہوں نے حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کا عہدہ خالی کیا ہے۔ وہ ایک معروف سائنس دان ہیں اور وائس چانسلر کے عہدے پر فائز ہونے سے قبل پنجاب کالج آف ایگری کلچر کے پرنسپل تھے۔ وہ ان دنوں گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے مڈل ایسٹ ایگری کلچرل کانفرنس میں شرکت کے لیے قاہرہ گئے ہوئے ہیں۔ میں ڈاکٹر نذیر احمد ' ڈائریکٹر کاٹن ' ٹیکنالوجیکل لیبارٹری ' ماٹونگا (بمبئی) کا بھی ذکر کروں گا۔ ڈاکٹر احمد کا تعلق لاہور سے ہے اور بمبئی جانے سے قبل وہ لاہور اسلامیہ کالج کے سائنس

ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ تھے۔ میری تجویز ہے کہ ہمیں علی گڑھ اور مسلم ایجوکیشن کے دیگر علاقوں میں سائنٹفک ٹیلنٹ تلاش کرنا چاہئے۔ اور پلاننگ کمیٹی کو عملی طور پر کام کرنے والے تاجروں کے علاوہ بعض سرکردہ ماہرین معاشیات کی خدمات بھی حاصل کرنی چاہیں۔

تجارتی اور سائنٹفک ٹیلنٹ کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے بامقصد طریقے سے خود کو پنجاب تک محدود رکھا ہے کیونکہ میں دوسرے صوبوں کے حقوق میں دخل اندازی نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ ابھی تھوڑا عرصہ قبل میں نے ایک بڑی اینمل فیکٹری قائم کرنے کے سلسلے میں' جو بھارت میں اپنی نوعیت کا مسلمانوں کا پہلا ادارہ ہوگا' ایک غیر ملکی ماہر کی خدمات حاصل کی ہیں۔ یہ ماہر جرمن یہودی ہے۔ فیکٹری بہت جلد مکمل ہوجائے گی اور میرے لئے یہ امر باعث اعزاز ہوگا' اگر آپ لاہور آئیں تو اس کی رسم افتتاح سرانجام دیں۔ میں یہ خط بغیر اس درخواست کے ختم نہیں کرسکتا کہ آپ لاہور کے دورہ میں میرے ساتھ کھانے میں شریک ہوں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ میرے لئے کچھ وقت نکال سکیں گے۔

تسلیمات کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم رفیع بٹ

۱۳ مارچ ۱۹۴۴ء

ڈیئر مسٹر بٹ!

مجھے آپ کا ۹ مارچ ۱۹۴۴ء والا تحریر کردہ خط مل گیا ہے۔ میں جب لاہور آؤں گا تو ایک شام آپ کے ساتھ گذار کر مجھے مسرت ہوگی۔ مجھے امید

ہے کہ میں ۱۸ تاریخ کو لاہور پہنچ جاؤں گا اور پھر ہم کسی تاریخ کا تعین کر لیں گے۔

جہاں تک دوسرے معاملے کا تعلق ہے جس کی آپ نے اپنے خط میں نشاندہی کی ہے' میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے پوری دلچسپی اور سرگرمی سے حمایت کی ہے۔ اگر ہم نے اس غلط پروپیگنڈے کا جواب دینے کا فیصلہ کیا' جو ہمارے خلاف کیا جا رہا ہے تو میں یقیناً آپ کی مدد حاصل کروں گا۔

آپ کا مخلص!

ایم اے جناح

۱۱ اپریل ۱۹۴۴ء

محترم قائد اعظم!

آپ کے ساتھ گذشتہ ملاقات کے بعد سے میں اس بات پر غور کر رہا ہوں کہ مجوزہ انگریزی اخبار کی کامیابی کے لئے مزید کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے مسلمان قوم کے ارفع و اعلیٰ مقصد کے فروغ کے لئے جو آپ کو بہت عزیز ہے' آپ میری خدمات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اخبار کے کمرشل پہلو کی دیکھ بھال سے مجھے خوشی ہوگی اور میں اسے ایک مستحکم تجارتی بنیاد پر استوار کر کے اس کی کامیابی یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ اشتہارات کے حصول' سیل کے لیے ایجنسیاں منظم کرنے اور فرسٹ کلاس اخبار نکالنے کے لیے ضروری تکنیکی سامان سے متعلقہ امور کے حوالے سے میرے تجربے اور تجارتی دنیا میں روابط سے آپ پورے طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو گارنٹی فنڈ ایک لاکھ تک پہنچانے

کے لیے چندہ دینے والے مزید تین افراد مل گئے ہوں گے۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ کے لاہور میں پندرہ روزہ قیام کا پنجاب کے مسلمانوں پر حوصلہ افزا اثر ہوا ہے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ لیگ نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت کے ساتھ دیگر صوبوں میں بھی مسلمان عوام کی توجہ مبذول کرالی ہے۔ یہ میرا یقین محکم ہے کہ اگر مسلمان بزنس مین اور صنعت کاروں کو مناسب طور پر متحرک کر دیا جائے اور وہ مضبوطی کے ساتھ لیگ کے ساتھ ہوں تو مسلمان قوم کا مستقبل یقینی ہو جائے گا لیکن ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک انتظامی شعبے میں مسلمان قوم کے حقیقی بہی خواہ معاملات چلانے والے نہ ہوں۔ آپ کو یہ سن کر دلچسپی ہوگی کہ جاٹ مہاسبھا کے لائل پور سیشن میں تقریر کے دوران سرچھوٹو رام نے بلاکم و کاست تسلیم کیا تھا کہ جب تک بھارت کے آئین میں سیاسی حقوق کی تقسیم کی بنیاد مذہب ہے' ہر مذہبی طبقے کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے خود کو منظم کرے اور جو ایسا نہیں کریں گے' وہ اپنے حقوق سے محروم رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہر جاٹ کو مکمل آزادی ہوگی کہ وہ کانگرس' مسلم لیگ' ہندو مہاسبھا' اکالی دل' لبریشن فیڈریشن یا انڈین کرسچین ایسوسی ایشن میں شامل ہو اور پاکستان' اکھنڈ بھارت' آزاد پنجاب' متحدہ پنجاب اور پورن سوراج کے حصول کے لیے اپنی ذاتی حیثیت میں کام کرے لیکن ان میں سے کسی سیاسی مقصد کی حمایت یا مخالفت کے لیے جاٹ مہاسبھا پلیٹ فارم کو استعمال نہیں کیا جاسکے گا۔ میں ذاتی طور پر یہ خیال کرتا ہوں کہ آپ کے دورہ لاہور کا یہ براہ راست نتیجہ ہے کہ سرچھوٹو رام نے بھی مسلمان جاٹوں کو مشورہ دینا

www.freepdfpost.blogspot.com

شروع کر دیا ہے کہ وہ اپنے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے لیگ میں شمولیت اختیار کریں اور یہ کہ اگر جاٹوں نے ایسا نہ کیا تو وہ خسارے میں رہیں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ جلد ہی دوبارہ لاہور آ رہے ہیں۔

تسلیمات کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم رفیع بٹ

۱۶ اپریل ۱۹۴۴ء

محترم قائد اعظم!

آپ کے نام میں نے جو گذشتہ خط لکھا تھا' اس کے بعد سے میں لاہور میں ایک فرسٹ کلاس انگریزی اخبار منظم کرنے کے بارے میں غور کر رہا ہوں۔ اس معاملے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بہترین راستہ یہی ہے کہ ہمارا اپنا پریس ہو۔ میں نے ایسٹرن ٹائمز کے مسٹر عبد الحمید کے ساتھ اس معاملے پر گفتگو کی ہے اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ مطلوبہ مشینری خریدنے کے لیے اندازا چالیس ہزار روپے کی لاگت آئے گی۔ میں نے مسٹر حمید سے کہا کہ وہ آپ کو تفصیلی سکیم پیش کریں۔ اگر تجویز آپ نے منظور کر لی تو میں اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکوں گا۔

بہترین خواہشات کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم رفیع بٹ

M. Rafi Butt

PHONE: 3037
35-A Ferozepur Road
LAHORE

Karachi

29/3/45

My dear Quaid-i-Azam

I am on my way to America. I am glad to know that you are progressing satisfactorily. [I] pray for your long life which is so essentially needed for the future of Mussalmans of India. I will write a detailed letter from New York ~~and~~ ~~[illegible]~~ keeping you informed about my activities ~~about the~~ towards studying modern industrial development of that country.

It was my earnest desire to see you & discuss my plan before leaving this country, but it was my bad luck that I could not avail my-self of your esteemed advice.

Best of wishes,

I remain

Yours Sincerely

Rafi

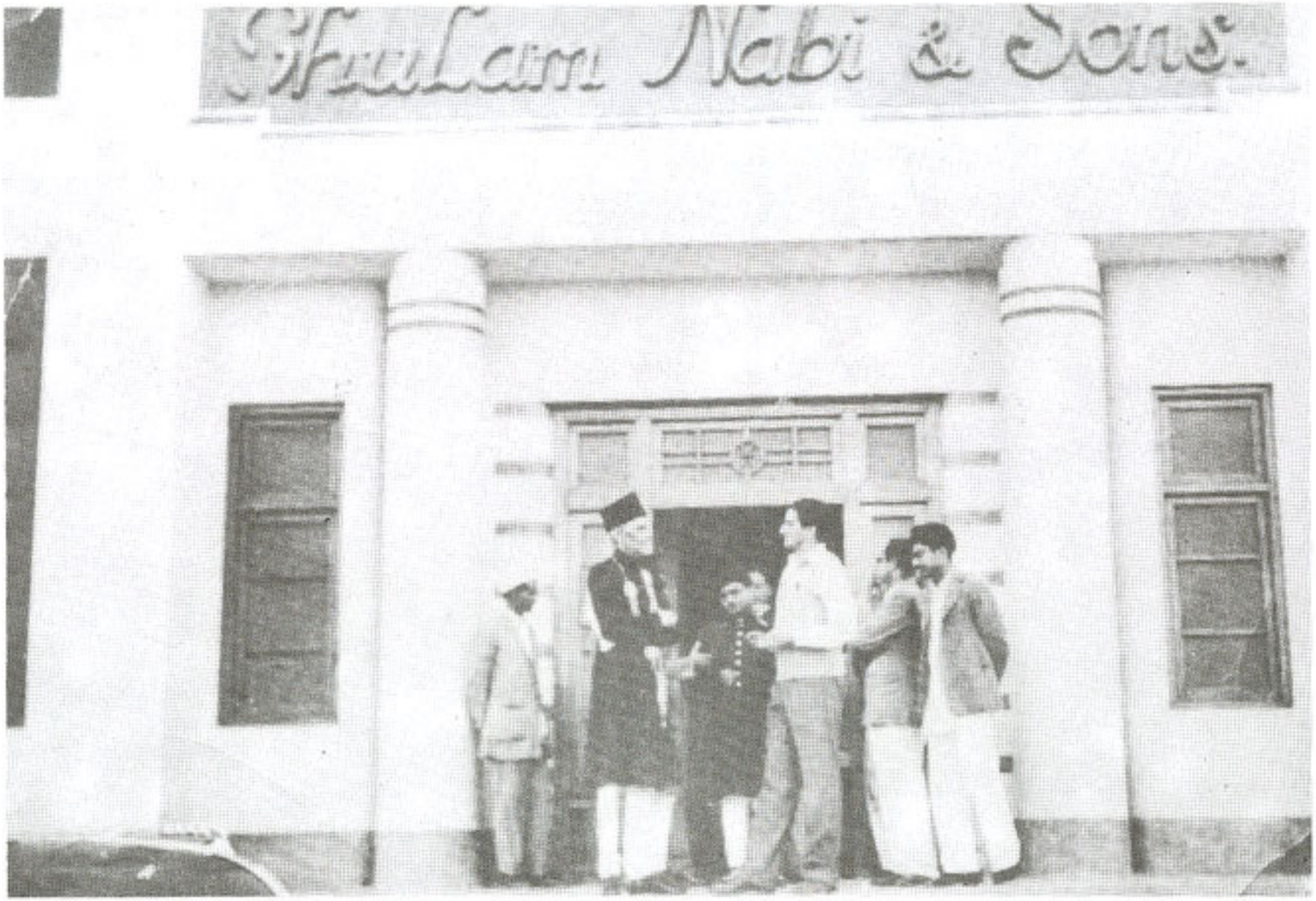

میسرز غلام نبی اینڈ سنز میں تشریف آوری پر قائداعظم رفیع بٹ سے محو گفتگو ہیں۔

۲۴ اپریل ۱۹۴۴ء

ڈیئر لائق علی!

میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری ملاقات لاہور کے مسٹر رفیع بٹ سے ہوئی ہے۔ وہ سرجیکل آلات کی ایک اعلیٰ معیار کی فیکٹری چلا رہے ہیں۔ وہ ایکسچینج بنک سے بھی متعلق ہیں جو ان کی محض ذاتی کاوش سے کامیاب ہے۔ انہوں نے آپ کی کمپنی ایمزان میں دلچسپی ظاہر کی ہے اور اس کے حصص خریدنے کی پیشکش کی ہے۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ وہ آپ سے رابطہ کریں اور کمپنی کے اغراض و مقاصد اور میمورنڈم کا بغور مطالعہ کرلیں۔ میرے خیال میں اگر آپ مناسب سمجھتے ہوں تو کچھ حصص ان کو دے دیں۔ وہ آپ کو اس سلسلے میں براہ راست خط لکھیں گے۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے' نیک تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم اے جناح

یکم اپریل ۱۹۴۴ء

ڈیئر نواب صاحب!

قائداعظم نے حال ہی میں مجھے ایک نئی کمپنی کے بارے میں بتایا ہے جو دہلی میں کئی کروڑ کے سرمائے سے کھلی ہے' میں نے اس میں شرکت پر آمادگی ظاہر کی تھی' انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ اس ضمن میں مزید معلومات اور پراسپکٹس کے لیے آپ سے رابطہ کروں۔ انہوں نے بھی آپ کو اس سلسلے میں خط لکھا ہے تاکہ آپ ایک ڈائریکٹر کی آسامی خالی رکھیں' اگر

مناسب خیال فرمائیں تو مجھے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شمولیت اختیار کر کے خوشی ہوگی۔

بہترین آداب کے ساتھ

آپ کا مخلص!

ایم رفیع بٹ

۵ جولائی ۱۹۴۴ء

محترم قائد اعظم!

میں نے مقامی طور پر ڈان کے کالموں کے ذریعے آپ کی سرگرمیوں کی خبروں پر دلچسپی سے نظر رکھی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ آپ خیریت سے ہیں اور آرام کر رہے ہیں جس کی آپ کو بہت ضرورت ہے' آپ کی عدم موجودگی میں انگریزی اخبار کی سکیم کے لئے کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی جس کے لیے آپ نے اپنے گذشتہ دورہ لاہور میں اتنی کوشش کی تھی۔ میرے بنک نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس سلسلے میں چیک جمع ہو گیا ہے۔ میں حیران ہوں کہ آپ نے اسے جمع کرانے میں تاخیر کیوں کی' میری قلبی خواہش ہے کہ صوبے میں مسلم لیگ کا اعلیٰ پائے کا انگریزی اخبار شائع ہو' میں آپ کی مساعی کی کامیابی کے لیے دعاگو ہوں۔

میرا بھائی تقی اخبار کے منصوبے میں شریک ہونا چاہتا ہے اور مجھے' ہم دونوں بھائیوں کی طرف سے عطیہ دینے میں خوشی محسوس ہوگی۔

نیک تمناؤں کے ساتھ ختم کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص!

(رفیع بٹ)

www.freepdfpost.blogspot.com

گیسٹ ہاؤس نمبر۴ سری نگر کشمیر

۱۲جولائی ۱۹۴۴ء

ڈیئر بٹ صاحب!

آپ کے ۵ جولائی کے خط کا بے حد شکریہ! میں نے لاہور سے انگریزی روزنامے کی اشاعت کی سکیم ترک نہیں کی۔ میں لاہور آکر اس موضوع پر آپ سے مزید بات کروں گا' مجھے علم ہوا ہے کہ آپ کے بھائی صاحب بھی آپ کے ساتھ اخبار کی سکیم میں شراکت کے خواہاں ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آیا آپ نے اس کے لیے زمین حاصل کرلی ہے اور وہ مشینری منگوالی ہے جن کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ لاہور میں دستیاب ہے۔ نصیر احمد شیخ کا ارسال کردہ چیک کلیئر نہیں ہوا کیونکہ اس میں تاریخ میں کوئی تبدیلی ہے۔ میں نے یہ چیک انہیں واپس بھجوا دیا ہے تاکہ وہ نیا چیک ارسال کریں یا اس کی تبدیلیوں پر مختصر دستخط کردیں۔ میں نے انہیں یاددہانی کے دو خطوط بھیجے ہیں' افسوس ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔

مجھے توقع ہے کہ ۲۸ جولائی کو لاہور میں ہوں گا اور مجھے آپ سے مل کر خوشی ہوگی اور دیگر موضوعات کے علاوہ انگریزی اخبار کی سکیم پر بھی بات ہوگی۔

آپ کا مخلص!

(ایم اے جناح)

کوئٹہ

۳۰ ستمبر ۱۹۴۵ء

ڈیئر مسٹر رفیع بٹ!

آپ نے مجھے اور مس فاطمہ جناح کو جو یاد کیا ہے، میں اس پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ نے کمال مہربانی کرتے ہوئے جو دو نکٹائیاں اور بندے بھیجے ہیں، وہ ہمیں مل گئے ہیں۔ آپ نے بہت مہربانی کی ہے اور ہم اس کے شکر گذار ہیں۔ آپ کی خیریت چاہتے ہیں۔ پر خلوص جذبات کے ساتھ۔

مخلص!

ایم اے جناح

مری ہل

۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء

مائی ڈیئر قائد اعظم!

میں امریکہ اور کینیڈا کے چھ ماہ کے دورے سے حال ہی میں واپس آیا ہوں، وہاں میں نے صنعتی ترقی کا مطالعہ کیا ہے۔ خاص طور پر میں نے یہ سمجھنے کی کوشش کی ہے کہ امریکہ نے دنیا کے صنعتی لیڈر کا مرتبہ کیسے حاصل کیا ہے۔ میں نے خاصا وقت اس بات پر صرف کیا کہ گہرائی میں جاکر یہ دیکھا جائے کہ امریکی صنعت کاروں نے اپنے حالیہ کارنامے کس طریقے سے انجام دیئے ہیں۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ امریکہ اور ہندوستان کے وسائل ایک

جیسے ہیں اور میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہم اپنے ملک کو اقتصادی طور پر امریکہ کی طرح کیوں ترقی نہیں دے سکتے۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں نے امریکہ کی صنعت کے کپتانوں کے ساتھ قیمتی روابط استوار کئے ہیں۔ میں ان کی مدد سے مستقبل میں ملک کے اندر صنعتوں کا جال بچھانا چاہتا ہوں۔ مستقبل قریب میں آپ سے مل کر میں آپ کے سامنے ساری تفصیلات رکھوں گا۔

میں چند روز لاہور میں گذارنے کے بعد ایک کی ہفتے تعطیلات پر مری آگیا ہوں۔ اس کے بعد ہی سنجیدگی سے کاروبار کی طرف توجہ دوں گا۔

ملک سے غیر حاضری کے دوران میں نے سیاسی سرگرمیوں خاص طور پر شملہ کانفرنس سے متعلقہ واقعات پر گہری نظر رکھی ہے جو حالیہ انتخابات پر منتج ہوئے ہیں۔ افسوس کے ساتھ اپنا یہ تاثر ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ امریکہ میں کانگریس کے کیس کو بہت زیادہ پبلسٹی ملی جبکہ بہت کم لوگوں کو لیگ کے موقف سے آگاہی تھی۔ امریکہ اور کینیڈا میں جس صنعت کار سے بھی ملا، میں نے اسے لیگ کے موقف سے آگاہ کرنے کی پوری کوشش کی لیکن میں اس تاثر کے ساتھ واپس آیا کہ کانگرس کے پراپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لیے نیویارک میں پبلسٹی دفتر ہونا چاہیئے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں امریکہ میں بہت جلد دفتر کھولنے کا سوچ رہا ہوں۔

میں یہاں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ امریکہ روانگی سے پہلے میں نے دو ہزار پونڈ میں اپنا بیمہ کرایا اور موت کی صورت میں جو رقم بیمہ کمپنی سے ملتی، اس کی وصولی کے لئے میں نے آپ کو نامزد کیا تاکہ آپ اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کر سکیں۔ لیکن اب آپ کے لیے یہ بات لطف کا

باعث ہوگی کہ پالیسی ختم ہو چکی ہے کیونکہ میں زندہ واپس آگیا ہوں' آپ کے ملاحظے کے لیے پالیسی آپ کو بھیج رہا ہوں۔ حالیہ انتخابات کے سلسلے میں میری پر خلوص دعا ہے کہ خدا آپ کی کوششوں کو کامیاب کرے اور مجھے امید ہے کہ لیگ کو انتخابات میں بہت بھاری کامیابی حاصل ہوگی۔ میں جتنی مدد کرنے کے قابل ہوں' یقین رکھئے حاضر ہے۔ میں بہت دولت مند آدمی نہیں لیکن میرے پاس جو کچھ ہے' وہ قوم کے لئے ہے۔ چونکہ حال ہی میں واپس آیا ہوں 'اس لئے انتخابات کے بارے میں زیادہ کچھ جاننے کا موقع نہیں ملا۔ وقت بہت کم باقی ہے۔ اس لیے میں نے نواب ممدوٹ کو بتادیا ہے کہ میرا ارادہ الیکشن لڑنے کا ہے لیکن میں اپنا مسئلہ آپ پر چھوڑتا ہوں اور آپکی نصیحت سے رہنمائی حاصل کروں گا۔

امید ہے کہ کوئٹہ کی آب و ہوا سے آپ کی صحت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے۔

خلوص کے ساتھ!

(رفیع بٹ)

☆☆☆

امتیاز رفیع ان خطوط کی دریافت پر پھولا نہ سماتا تھا۔ اس کا باپ رفیع بٹ قائد کا ایک قریبی ساتھی تھا۔ امتیاز کو اس تعلق پر فخر کیوں نہ ہوتا۔ امتیاز کی جستجو کا سفر ابھی تمام نہیں ہوا تھا' نہ شبیر زیدی نے ابھی ہار مانی تھی' اس کا خیال تھا کہ تاریخ کے سینے میں ابھی بہت کچھ دفن ہے۔

ایک روز زیدی نے اسلام آباد سے فون کیا' اس کا لہجہ کسی بہت بڑی کامیابی سے سرشار نظر آتا تھا۔ میں نے کہا کہ کچھ بتائیں تو سہی' کیا ہاتھ لگ گیا؟۔ زیدی نے کہا کہ مجھے مسلم لیگ کی اکنامک پلاننگ کمیٹی کی پوری رپورٹ مل گئی ہے۔ اس کمیٹی کی تشکیل قائد اعظم نے کی تھی اور رفیع بٹ کو اس کی ایک سب کمیٹی کی سربراہی کا اعزاز میسر آیا تھا۔ اس رپورٹ میں پاکستان کے لیے اقتصادی' کاروباری اور صنعتی منصوبہ بندی کے خدوخال بیان کیے گئے ہیں۔ میں نے زیدی سے کہا کہ اس نے ایک گوہر نایاب تلاش کر لیا ہے۔ یہ رپورٹ تو ماضی کے دھندلکوں کی نذر ہو گئی تھی اور تحریک پاکستان کے محققین بھی اس کی تلاش نہیں کر پائے۔ اب اس رپورٹ کے منظر عام پر آنے سے لوگوں پر واضح ہو جائے گا کہ حضرت قائد اعظم جس پاکستان کی تشکیل کے لئے سیاسی سطح پر کوشاں تھے' اس کی اقتصادی منصوبہ بندی کے لئے بھی انہوں نے ماہرین کی کمیٹیاں بنا دی تھیں تاکہ نئی مملکت کو معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ قائد اعظم کے مخالف کانگرس لیڈر یہ بڑ ہانکا کرتے تھے کہ پاکستان معاشی طور پر چند دن بھی نہیں چل سکتا۔ پٹیل نے دعوی کیا تھا کہ پاکستان میں لوگوں کو روٹی نہیں ملے گی اور وہ واپس بھارت ماتا کی گود میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ قائد اعظم نے نئی مملکت کی تعمیر و تشکیل کے کسی پہلو سے اغماض نہیں برتا تھا۔

امتیاز رفیع اپنی جستجو میں منہمک رہا۔ اس کام کے لئے اس نے امریکہ سے خالد حسن کو بھی بلایا۔ پھر ڈاکٹر رضی واسطی کی خدمات حاصل

ہیں۔ اس اثناء میں وہ جناح رفیع فاؤنڈیشن بھی قائم کر چکا تھا جس کا بڑا مقصد تحریک پاکستان کے انجانے گوشوں کی تلاش تھا۔ امتیاز کی خواہش تھی کہ وہ اپنے والد کی ایک مبسوط سوانح عمری لکھوائے۔ میری رائے تھی کہ وہ فوری طور پر جناح رفیع خط و کتابت کو کتابی شکل میں سامنے لے آئے' اس طرح رفیع بٹ کا ایک تصویری البم بھی شائع کر دیا جائے' اکنامک پلاننگ کمیٹی کی رپورٹ پر مبنی ایک کتاب الگ بھی مرتب کی جاسکتی تھی۔ امتیاز ان تجاویز کو سنتا اور پھر سوچوں کی دنیا میں محو ہو جاتا۔ میں کبھی کبھی سمجھتا کہ شاید تاریخ کے ان خشک حقائق میں اس کے لیے کوئی چاشنی نہیں ہے۔ کبھی مجھے خیال آتا کہ دسمبر ۸۹ء میں جب رفیع بٹ کی تلاش کا سفر شروع کیا تھا تو میں تنہا امتیاز کا ساتھی تھا' اب اس کو مشورہ دینے والے اور بہت ہیں اور وہ بھی ایک سے ایک بڑھ کر۔ میں اس کے لئے ماضی کی گرد راہ میں کہیں گم ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک دن میں نے امتیاز کے دفتر میں اکنامک پلاننگ کمیٹی کی رپورٹ پر مبنی کتاب بزبان انگریزی "قائد اعظم کا تشنہ تکمیل خواب" دیکھی۔ اسے خالد شمس الحسن نے مرتب کیا تھا۔ میں نے امتیاز سے گلہ کیا کہ اگر آپ نے خود یہ کتاب شائع نہیں کرنا تھی تو کم از کم اس کا مواد مجھے ہی دے دیتے تاکہ جناح رفیع خط و کتابت کی طرح اس کی اشاعت کا اعزاز بھی مجھے حاصل ہوتا۔ شبیر زیدی نے بتایا کہ خالد شمس الحسن یہ رپورٹ ان سے لے کے تو ضرور گئے تھے لیکن انہوں نے اس کی اشاعت کا عندیہ نہیں دیا تھا۔

ایک شام، رفیع بٹ کے نام

قائد اعظم رح اور رفیع بٹ کی دوستانہ قربت کے راز کی تہہ تک پہنچنا میری پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا' لیکن میری دفتری مصروفیات اس نوعیت کی تھیں کہ میرے پاس کسی لمبے چوڑے تحقیقی پراجیکٹ پر کام کرنے کا وقت نہیں تھا' نوائے وقت کی اداریہ نویسی ایک اہم قومی ذمہ داری ہے اور اسلام' پاکستان اور جمہوری نظام سے لے کر ان گنت ملکی اور غیر ملکی مسائل پر اپنے قارئین کو رہنمائی مہیا کرنا بجائے خود کسی امتحان سے کم نہیں۔ تاہم میری خواہش ضرور تھی کہ جس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے' اسے کچھ تو آگے بڑھایا جائے تاکہ تاریخ میں رفیع بٹ کے کردار کا تعین کیا جاسکے۔ اس مقصد کے لئے میں نے ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے پریس کونسل آف انٹرنیشنل افیئرز کا پلیٹ فارم چنا گیا۔ یہ کونسل میری سربراہی میں ۱۹۸۶ء سے کام کر رہی ہے' اس کونسل کے ہفتہ وار اجلاس آواری ہوٹل (سابقہ ہلٹن) میں باقاعدگی سے منعقد ہو رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کونسل کو ایک قومی تھنک ٹینک کا درجہ

حاصل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ اس کے اجلاسوں میں زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والی ملکی اور غیر ملکی شخصیات کو گفتگو کے لئے مدعو کیا جا چکا ہے۔ بہر حال یوم پاکستان کے سلسلے میں اس کونسل کا ایک اجلاس رفیع بٹ کی یاد کے لئے مختص کیا گیا اور تحریک پاکستان کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے والے بزرگوں کو اس میں اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ کمپیئرنگ کے فرائض خواجہ افتخار نے انجام دیئے۔ وہ تحریک پاکستان کے حوالے سے متعدد کتابوں کے مصنف اور ملک کی ایک ممتاز سماجی شخصیت کے طور پر جانے پہچانے جاتے ہیں۔ گفتگو میں جن بزرگوں نے حصہ لیا' ان میں م۔ ش (میاں محمد شفیع)' ڈاکٹر ضیا الاسلام' ممتاز احمد خاں' عبد اللہ ملک' حمید الملکی' چودھری کلیم الدین' ملک غلام نبی' مرزا محمد منور' جسٹس ریٹائرڈ ذکی الدین پال شامل تھے۔ یہ تمام شخصیات تحریک پاکستان پر ایک سند کا درجہ رکھتی ہیں اور انہوں نے موضوع کے حوالے سے جو کچھ کہا' اس سے تاریخ کے طالب علموں کو تحریک پاکستان کے ایک نئے رخ سے آشنا ہونے کا موقع ملا۔ امتیاز رفیع بٹ بھی اس محفل میں موجود تھا' اور اپنے والد کے عظیم کارناموں کے بارے میں تفصیلات جان کر اس کا سر لازمی طور پر فخر سے بلند ہو گیا۔

اس مذاکرے کی تفصیل یہ ہے۔۔۔۔۔۔

خواجہ افتخار:۔

"زندگی کی راہوں میں بہت سے ایسے انسان بھی ملتے ہیں جو زندہ ہو کر بھی مردہ ہوتے ہیں لیکن ایسی ہستیاں بھی ہوتی ہیں جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ محمد رفیع بٹ مرحوم ایک ایسی ہی ہستی تھے جو زندہ جاوید ہیں اور جنہیں زمانہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔ میں سب سے پہلے بزرگ صحافی محترم میاں محمد شفیع (م۔ش) سے درخواست کروں گا کہ وہ مرحوم رفیع بٹ سے متعلق آج کی اس نشست کا آغاز اپنی گفتگو سے فرمائیں"

میاں محمد شفیع (بزرگ صحافی):۔

"رفیع بٹ کا تعلق پنجاب میں مسلم لیگ کی اس ہائی کمان سے تھا جس نے یونینسٹ پارٹی کے خلاف کام کیا۔ وہ پنجاب میں مسلم لیگ کے پائنیر تھے۔ انہیں قائد اعظم کا اعتماد حاصل تھا اور ان کی محفلوں تک رسائی حاصل تھی۔ وہ نواب افتخار ممدوٹ، ممتاز دولتانہ اور شوکت حیات وغیرہ کے دوست تھے۔ رفیع بٹ کا تعلق ایک صنعت کار گھرانے سے تھا۔ فیروز پور روڈ پر آلات جراحی تیار کرنے والی ان کی ایک فیکٹری تھی اور فرم کا نام غلام نبی اینڈ سنز تھا جو ہسپتالوں کے آلات بناتی تھی۔ رفیع بٹ مرحوم ملک تاج الدین کے کلاس فیلو اور قریبی دوست تھے۔ میری ان سے ملاقات انہی کے پاس زیادہ تر ہوتی تھی۔ ان دنوں اے پی آئی کا لاہور میں زونل دفتر فضل

دین ڈرگ سٹور کے عقب میں واقع فلیٹس میں تھا اور ملک تاج الدین اس کے زونل منیجر تھے۔

۱۹۳۶ء میں قائد اعظم محترم مسلم لیگ کی تشکیل نو کے سلسلے میں لاہور آئے' ان دنوں یہاں یونینسٹ حکومت تھی۔ سر فضل حسین کا ڈنکا بج رہا تھا اور سکندر حیات یونینسٹ پارٹی کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ چند سر پھرے بااثر مسلم نوجوان تھے جو مسلم لیگ کے ساتھ تھے' انہی میں ایک رفیع بٹ کا شمار بھی ہوتا تھا۔ وہ ایک نہایت پرکشش شخصیت اور شگفتہ مزاج کے مالک تھے۔ صحافیوں کے ساتھ ان کی بہت پر لطف محفلیں رہتیں۔ رفیع بٹ بہت مہمان نواز بھی تھے۔ پنجاب کے مسلمانوں میں ان کا گھرانہ ہی پہلا مسلمان گھرانہ تھا جس نے صنعت لگائی اور مینو فیکچرنگ شروع کی۔ رفیع بٹ بہت پرجوش اور باصلاحیت انسان تھے۔ قائد اعظم ان کے مشوروں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو قائد اعظم یقیناً ان کی صلاحیتوں سے مزید فائدہ اٹھاتے۔ قائد اعظم کی دور رس نگاہیں ہمیشہ ایسے ہی افراد کی متلاشی رہتی تھیں۔ وہ ایسے ہی لوگوں کی مدد سے آزاد پاکستان کی تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ میرا دل یہ کہتا ہے کہ اگر رفیع بٹ جواں سالی ہی میں ہوائی حادثے میں جاں بحق نہ ہوگئے ہوتے تو ان کا کردار پاکستان کی تعمیر جدید میں نہایت شاندار ہوتا۔ وہ ایک نیک اور دریا دل انسان تھے۔ وہ نہایت خاموشی سے کئی فلاحی اداروں کی درپردہ مدد کرتے تھے۔ جب قیام پاکستان کے بعد ملک تاج الدین نے اے پی پی کو چلانے کو فیصلہ کیا تو اس موقع پر بھی رفیع بٹ مرحوم نے دل کھول کر مالی امداد کی۔ آج ہمیں مرحوم کے بیٹے امتیاز رفیع بٹ

میں ان کی شبیہ نظر آتی ہے۔ امتیاز بھی باپ کی طرح سیر چشم، اچھے منتظم اور متحرک انسان ہیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ اپنے والد کے قد کاٹھ کو پہنچیں گے۔"

ڈاکٹر ضیا الا سلام (تحریک پاکستان کے دوران مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر):۔

"یہ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے جب آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس جالندھر میں ہوا۔ ان دنوں حمید نظامی اس کے صدر تھے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس کی تیاریوں کے سلسلے میں ایک فنانس کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے رکن میں اور غلام محی الدین قصوری تھے۔ ہم فنڈز کے لئے رفیع بٹ کے پاس بھی گئے۔ اس طرح ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہماری مدد کی۔ اس کے بعد ملاقات رہی۔ فیڈریشن کی مالی معاونت کے لئے بعد میں بھی ان سے ملتے رہے۔ ستمبر ۱۹۴۳ء میں حمید نظامی نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا تو میں اس کا قائم مقام صدر بنا۔ ۱۹۴۴ء میں ہم نے پھر فیڈریشن کا اجلاس بلایا جس میں محترم قائد اعظم نے بھی شرکت کرنا تھی۔ اس موقع پر رفیع بٹ نے مجھ سے کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ قائد اعظم ان کی فیکٹری دیکھیں۔ میں نے قائد اعظم سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کل دیکھیں گے۔ قائد اعظم نے اس کے لئے پانچ بجے شام کا وقت دیا۔ قائد اعظم ان دنوں نواب ممدوٹ کی کوٹھی مین فیروز پور روڈ پر قیام کرتے تھے۔ اگلے روز قائد اعظم میرے اور میاں بشیر احمد کے ہمراہ رفیع

بٹ صاحب کی فیکٹری میں گئے۔ رفیع بٹ نے دروازے پر استقبال کیا۔ قائد اعظم نے فیکٹری کے مختلف شعبے دیکھے۔ کمپاؤنڈ میں مزدوروں کو جمع کیا گیا تھا۔ جہاں رفیع بٹ نے سپاسنامہ پڑھا۔ قائد اعظم نے تقریر کی اور مزدوروں سے فرمایا کہ انہیں محنت اور لگن سے کام کرنا چاہئے تاکہ مالک اور آپ دونوں کو فائدہ پہنچے۔ اس کے ساتھ مالک کو بھی مزدوروں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا چاہئے۔ اس موقع پر رفیع بٹ صاحب نے قائد اعظم کی خدمت میں ایک کثیر رقم کی تھیلی بھی پیش کی۔ اس طرح مجھے رفیع بٹ کے قائد اعظم سے قریبی روابط کرانے کا شرف حاصل ہوا۔"

ممتاز احمد خاں (بزرگ صحافی اور پاک چین دوستی کے بانی صدر):۔

"رفیع بٹ عین جوانی کے عالم میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ وہ بہت عظیم ہستی تھے۔ قدرت انہیں مہلت دیتی تو وہ پاکستان کی تعمیر میں یقیناً بہت اہم کردار ادا کرتے۔ ۱۹۴۰ء کے عشرے میں اکثر اخبارات میں ان کا ذکر رہتا تھا لیکن میرا ان سے تعلق اس وقت قائم ہوا' جب میں نے ۱۹۴۵ء میں ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا میں ملازمت کی۔ ملک تاج الدین لاہور میں اے پی آئی کے جنرل منیجر تھے۔ رفیع بٹ سے ان کی دوستی تھی۔ میں اے پی آئی کے دفتر میں واحد مسلمان رپورٹر تھا۔ ملک تاج الدین نے رفیع بٹ سے میرا تعارف کرایا تو وہ مجھے مال روڈ کے ایک اچھے ریستوران میں چائے پینے کے لئے لے گئے۔ وہ بہت خوش باش اور زندہ دل انسان تھے۔ ہمارے دفتر میں ہفتے عشرے میں ایک بار آتے رہتے تھے۔ ان کے ساتھ مل کر

چائے پیتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور مستقبل کے متعلق کیا عزائم رکھتے ہیں۔ وہ پیش رفت کرنے والے ایک بھرپور نوجوان تھے جن کا ذہن بہت شفاف تھا۔ انہیں قائد اعظم کا قرب حاصل تھا۔ پنجاب میں واحد مسلمان صنعتکار تھے اور صنعت و تجارت پر ہندوؤں کے قبضے کے اس دور میں یہ بڑی بات تھی۔ قائد اعظم ممدوٹ ولا میں ٹھہرا کرتے تھے۔ جب بھی وہ یہاں آتے، میری رپورٹنگ کے سلسلے میں وہاں ڈیوٹی لگ جاتی۔ میں ان کی مصروفیات' اجلاسوں اور بیانات کو رپورٹ کرتا' وہاں رفیع بٹ کا مسلسل آنا جانا رہتا' وہ ہمیشہ بہت شفقت سے ملتے۔ انہوں نے اس دور میں تحریک پاکستان میں ایک باقاعدہ کردار ادا کیا۔ قائد اعظم کی تحریک پر انہی دنوں مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کی تشکیل ہوئی' جس میں رفیع بٹ نے بھرپور کردار ادا کیا اور اس کے لیے مالی معاونت بھی کی۔ آج بھی امتیاز صاحب نے ان کی جو تصاویر محفوظ کر رکھی ہیں' انہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قائد اعظم کے کتنے قریب تھے۔ ملک تاج الدین' رفیع بٹ کے کلاس فیلو بھی تھے' وہ ان کے بہت گرویدہ تھے اور ہمیشہ رفیع بٹ کے ایک بہت بڑے انسان بننے کی پیش گوئی کیا کرتے تھے۔ جب فضائی حادثہ میں رفیع بٹ جاں بحق ہوئے تو مسلمانوں میں صف ماتم بچھ گئی۔ یہ بہت بڑا سانحہ اور ملت کا بہت بھاری نقصان تھا۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ رفیع بٹ کے نام کو زندہ رکھنے کے لئے ہم ان کی یادگار تعمیر کریں۔ ان کے نام پر کوئی پبلک ہال تعمیر ہونا چاہئے اور لاہور کی کسی سڑک کا نام بھی ان سے منسوب ہونا چاہئے۔ ان کے صاحب زادے امتیاز صاحب کو چاہئے کہ یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں

اول آنے والے طالب علم کے لئے ان کے نام سے گولڈ میڈل بھی جاری کریں۔"

عبداللہ ملک (بزرگ صحافی، دانشور اور مصنف):۔

"دراصل رفیع بٹ صاحب کے چھوٹے بھائی تقی بٹ میرے کلاس فیلو تھے، ان کا تعلق لاہور کے یکی دروازے کے کشمیری خاندان سے تھا۔ ابتداء میں میری رفیع بٹ سے ملاقات نہیں تھی۔ لیکن جن دنوں مجھے ممتاز دولتانہ کے قریب ہونے کا موقع ملا، اس وقت میرا رفیع بٹ سے رابطہ ہوا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ قائد اعظم کی عظمت کا صحیح احساس مجھے ان تحریروں سے ہوا ہے جو کہ رفیع بٹ کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ قائد اعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کی جدوجہد کی لیکن یہ بات مجھ پر واضح نہیں تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کی اقتصادی بقاء اور ترقی کے لئے کس قدر کام کیا۔ کس طرح سوچا اور اس میدان میں کس طرح نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان تحریروں سے سامنے آنے والی یہ حقیقت بھی بڑی اہم ہے کہ رفیع بٹ قائد اعظم سے قربت کا ایسا اظہار نہیں کرتے جتنا کہ قائد اعظم ان سے قربت کا اظہار کرتے ہیں۔ قائد اعظم رفیع بٹ میں ٹیلنٹ دیکھتے تھے۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کو کتنا اہم سمجھتے تھے۔ اس وقت کی مسلمانوں کی اقتصادی پسماندگی کے پس منظر میں رفیع بٹ کا نمایاں ہونا سمجھ آتا ہے۔ رفیع بٹ کے صاحب زادے امتیاز نے اپنی شناخت کے لئے اپنے والد کو مرکز بنایا ہے۔ وہ

اپنی شناخت کا تانا بانا بن رہے ہیں اور اسی میں وہ تاریخ کا ایک اہم پہلو بھی لوگوں کو فراہم کر رہے ہیں۔ اگر میں رفیع بٹ پر کچھ لکھوں تو اس کا ذکر امتیاز کے حسن اور ان کی جمالیاتی حس سے شروع کروں۔ ان کی طرف سے اپنے نامی گرامی والد پر تحقیق کا اہتمام کرنے کا کام بڑی قابل تحسین بات ہے۔ اس سلسلے میں اسد اللہ غالب بھی خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے آج ایسی ہستی کے متعلق اپنی یادوں کے چراغ جلانے کے لئے لوگوں کو یہاں جمع کیا۔ آخری بات رفیع بٹ صاحب کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان کی شخصیت کا ایک قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ وہ صنعت کے ذریعے سیاست میں آئے۔"

حمید الملک (تحریک پاکستان کے رہنما):۔

"دنیا میں جب بھی کہیں کوئی فضائی حادثہ ہوتا ہے' ہمارے دلوں میں رفیع بٹ کا دکھ تازہ ہو جاتا ہے۔ میری ان سے ملاقات حمید ملک صاحب نے کرائی۔ جنگ عظیم کے بعد عظیم آرٹسٹ چغتائی ایک فلم بنانا چاہتے تھے جس کے لئے انہیں رفیع بٹ کا تعاون حاصل تھا۔ اگر رفیع بٹ زندہ رہتے تو چغتائی یہ فلم بناتے جس کے متعلق میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ایک شاہکار فلم ہوتی۔ مرحوم رفیع بٹ ایک اخبار بھی جاری کرنا چاہتے تھے' اللہ انہیں یہ مہلت دے دیتا تو آج ان کا اخبار بھی یقیناً اپنے وقت کا بہت بڑا اخبار ہوتا۔ ہم رفیع بٹ کی عظمت کو سلام کرتے ہیں' ان کی یاد میں ہمیں ایک ایوارڈ جاری کرنا چاہئے۔ پی سی آئی اے کے ذریعے ہر سال کسی نمایاں صحافی کو

ایوارڈ دیا جاسکتا ہے یا یہ ایوارڈ صنعت کے میدان میں سکالر شپ کی صورت میں ہو سکتا ہے۔"

چودھری کلیم الدین (قیام پاکستان کے فوراً بعد لاہور میونسپل کارپوریشن کے میئر):۔

"یہ ۳۶-۱۹۳۵ء کے زمانے کی بات ہے۔ سکندر حیات گورنر پنجاب بنے تو ان کے لئے سکندر ماؤنٹ پر ایک دعوت دی گئی جس میں وقت کی بڑی بڑی شخصیتوں کو مدعو کیا گیا۔ میں ایک ایم پی اے کے ہمراہ وہاں گیا' دیکھا کہ وہاں دو نہایت خوش شکل 'خوش اطوار' خوش پوش اور متحرک نوجوان محفل کی توجہ کا مرکز ہیں۔ لوگ گردن اٹھا اٹھا کر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میاں امیر الدین نے ہمیں بتایا کہ ان میں ایک تو سکھ نوجوان کنور سنگھ ہیں اور دوسرے مسلمان نوجوان رفیع بٹ ہیں۔ اس موقع پر رفیع بٹ سے تعارف ہوا۔ اس کے بعد ممدوٹ صاحب کی رہائش گاہ پر اکثر ان سے ملاقات ہوتی رہی۔ ان کی شہرت ان کی انڈسٹری کی وجہ سے تھی۔ وہ قائد اعظم کے بھی معتمد ساتھی تھے۔ قائد اعظم کے ساتھ ان کی خط و کتابت رہتی تھی۔ قائد اعظم انہیں ہمیشہ خود خطوط کا جواب دیتے تھے۔ قائد اعظم نے مسلمانوں کی طرف سے کامرس اور انڈسٹری آرگنائز کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں صادق حسن کے علاوہ رفیع بٹ بھی شامل تھے۔ آج رفیع بٹ اس لئے بھی ہمیں بہت یاد آتے ہیں کہ وہ بہت ہی ملنسار تھے' بہت ہنس مکھ' غریب نواز اور کشادہ دل انسان تھے۔ وہ ۱۹۴۶ء میں انڈسٹری کی طرف

حضرت قائد اعظم کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کرنے کا منظر، رفیع بٹ ساتھ کھڑے ہیں۔

سے کونسلر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۸ء تک رہے۔ ۱۹۴۸ء میں انہیں میئر شپ کے لئے نامزد کیا گیا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ ان کی وفات کے بعد طویل عرصہ تک کارپوریشن پر جمود طاری رہا۔ حکومت نے ان کی تحریک پاکستان کے لئے خدمات کے اعتراف میں انہیں گولڈ میڈل بھی دیا۔ وہ اس کے پوری طرح مستحق ہیں کہ تاریخ میں ان کا نام نمایاں طور پر شامل ہو اور اسے خوب اجاگر کیا جائے۔ یہ امر قابل اطمینان ہے کہ ان کے صاحب زادے امتیاز اس سلسلے میں کام کر رہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ رفیع بٹ کی یاد میں غریبوں کی بھلائی کے لئے ایک بڑی ڈسپنسری قائم کریں۔ ان یتیموں کا ہاتھ پکڑیں جو تعلیمی میدان میں نمایاں پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔ انہیں اپنے والد رفیع بٹ کا مشنری جذبہ یاد رکھنا چاہئے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ مرحوم مسلم لیگ کے لئے اعزاز تھے۔ وہ دوستوں کے سچے خیر خواہ اور ایک بے مثل انسان تھے۔

"

ملک غلام نبی (تحریک پاکستان کے اہم رہنما اور پنجاب کے سابق وزیر تعلیم):۔

"کسی بھی انسان کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے اس کی زندگی کے کئی پہلو دیکھنے پڑتے ہیں۔ اس کا دوستوں سے تعلق، عزیزوں اور رشتہ داروں سے نبھا، معاشرتی روابط اور غیروں سے سلوک۔۔۔ ۱۹۳۳ء میں، میں ایم اے کا طالب علم تھا۔ ان دنوں مال روڈ پر راجہ صاحب کی دکان کے ساتھ ہوٹل تھا، جس میں خوب محفل ہوتی۔ لاہور کی اس وقت بڑی شان تھی اور

اس شہر میں آنا اور یہاں پڑھنا ہی ہمارے لوگوں کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا۔ رفیع بٹ بہت شان والے انسان تھے۔ ان کی دوستوں سے محبت بھولے نہیں بھلائی جاسکتی۔ رفیع بٹ حسین نوجوان تھے اور مال دولت والے تھے لیکن ان کی اصل شان ان کی عظمت کردار تھی۔ ان کی زندگی میں ایک جوش اور جذبہ تھا۔ وہ اکثر کہتے تھے کہ کیا کبھی مسلمانوں کی زبوں حالی بھی ختم ہوگی؟ وہ اکثر قوم کی حالت بدلنے کی سوچتے اور اس کے لئے منصوبے بناتے تھے۔ قائد اعظم نے انہیں پاکستان میں صنعت و حرفت کے امکانات کا جائزہ لینے کے لئے کہا تھا۔ قائد کو ان کی صلاحیتوں پر پورا بھروسہ تھا لیکن موت پر کسی کو اختیار نہیں۔ قائد رفیع بٹ سے پیار کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انڈسٹری کے بغیر ملک نہیں چل سکتا۔ وہ چاہتے تھے کہ صنعت کار آگے آئیں اور مسلمان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہوں۔"

مرزا محمد منور (ماہر اقبالیات' دانشور اور شاعر):۔

"رفیع بٹ ان لوگوں میں سے تھے' انسانوں کی خدمت اور بھلائی جن کا شعار ہوا کرتا ہے اور جو اپنے کام کا اجر اللہ کے پاس سمجھتے ہیں۔ ہم لوگ قائد اعظم کے شیدائی ہیں۔ قائد اعظم کا ہر ساتھی ہمارے لئے بے حد احترام کا مستحق ہے۔ رفیع بٹ کو قائد اعظم سے مجالست کا شرف حاصل تھا۔ ہم ان کی تعریفیں سنا کرتے تھے۔ ان کی ہوائی حادثہ میں ناگہانی وفات پر میں نے فارسی میں شعر کہے تھے۔ میرے دوست نصیر احمد زار' رفیع بٹ کا ہمیشہ ذکر کیا کرتے اور ان کی عظمت کے متعلق بتاتے۔ ہم تو قائد اعظم سے زندگی میں

ایک بار مصافحہ کرنے والوں کا بھی احترام کرتے ہیں۔ ان کی مجالس میں شریک رہنے والوں کی تو بات ہی اور ہے۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست

قائد اعظم آنے والے پاکستان میں ان سے کام لینا چاہتے تھے۔ دراصل جو لوگ کام کرتے ہیں اور مشہور بھی ہوتے ہیں' ان کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن جو لوگ بہت سے اہم کام کرتے ہیں اور نہیں جانے جاتے' ان کی تعداد کم از کم نوے فی صد ہوتی ہے۔ تاہم گمنام رہ کر کام کرنے والے بھی اور کام کر کے نام پانے والے بھی ہر دو طرح کے لوگوں کا ذکر ہمارے حوصلے بڑھانے کا باعث ہے۔"

خواجہ افتخار :۔

"اب میں رفیع بٹ کے صاحب زادے امتیاز صاحب سے جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اپنے والد کی حقیقی شبیہ ہیں' درخواست کروں گا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔"

امتیاز رفیع بٹ :۔

" میں اپنے والد مرحوم کے جاننے والے اور دوست بزرگوں کو آج یہاں دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔

آج کچھ کہنا میرے لئے جذباتی مسئلہ ہے۔ میں آپ سب کا بے حد شکر گذار ہوں۔"

خواجہ افتخار :۔

"اب آج کی محفل کے صدر محترم جناب جسٹس ریٹائرڈ محترم ذکی الدین پال سے درخواست ہے کہ وہ اپنے کلمات سے ہمیں نوازیں۔"

ذکی الدین پال (لاہور ہائی کورٹ کے سابق جج) :۔

"رفیع بٹ مرحوم سے میرا تعارف امرتسر میں ان کے سسرال کے ہاں ہوا تھا۔ ان کی شادی امرتسر کے ایک کشمیری گھرانے میں ہوئی تھی اور ان کے سسر یعنی امتیاز رفیع کے نانا کا نام میاں غلام قادر تھا۔ اور امتیاز کی والدہ زیتون بیگم تھیں۔ رفیع بٹ اپنی کار میں لاہور سے امرتسر آیا جایا کرتے تھے۔ میاں غلام قادر رستم ہند گاماں پہلوان کے بہنوئی تھے۔ رفیع بٹ جب بھی لاہور سے امرتسر آتے تھے' میاں غلام قادر بہت شاندار دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ ایسی ہی دو دعوتوں میں شرکت کے دوران میری رفیع بٹ سے ملاقات ہوئی۔ رفیع بٹ ایک پرجوش اور متحرک مخلص انسان تھے جن کے دل میں وطن کی لگن تھی۔ وہ کچھ کر کے دکھانا چاہتے تھے لیکن نہ کر سکے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی قائد اعظم نے انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کمیشن قائم کر دیا تھا جس کے رفیع بٹ ایک رکن تھے۔ رفیع بٹ ممدوٹ صاحب کے گھر اکثر آتے

جاتے اور ان سے ملاقات رہتی تھی۔ مسلم لیگ سے ان کی لگن درد دل کے ساتھ تھی۔ وہ سنٹرل ایکسچینج بنک کے بورڈ آف ڈائریکٹر کے چیئرمین بن گئے اور کئی انڈسٹریل یونٹ قائم کئے۔ رفیع بٹ مرحوم کے صاحب زادے امتیاز رفیع بٹ کو بھی اللہ نے والد جیسی صفات ہی سے نوازا ہے۔ اللہ کرے کہ انہیں وہ سب کچھ کرنے کی مہلت ملے جو ان کے والد کو ناگہانی وفات کی وجہ سے نہ مل سکی۔ اس موقع پر میں امتیاز صاحب کے لئے یہ کہوں گا کہ انہیں کاروباری دیانت پر توجہ دینی چاہئے اور حقوق العباد کا خیال رکھنا چاہئے۔ ہسپتال یا ڈسپنسری قائم کریں' ذہین اور غریب طلبہ کے لئے سکالر شپ جاری کریں اور ایسے کاموں کے لئے اپنی آمدنی کا ایک حصہ مخصوص کریں۔"

قائداعظم کا اقتصادی خواب

رفیع بٹ کے سلسلے میں اب تک جو بات مشترک طور پر کہی جارہی تھی کہ وہ صنعتکار ہوتے ہوئے سیاست میں آئے اور قائد اعظم ان کے ذریعے مسلمانوں کی معاشی پسماندگی دور کرنے کی منصوبہ بندی کررہے تھے۔ جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ مسلم لیگ کی اکنامک پلاننگ کمیٹی کی رپورٹ کا سراغ بھی لگالیا گیااور یہ امتیاز رفیع بٹ کے شریک کار اور قریبی دوست شبیر زیدی کا ایک تاریخی کارنامہ قرار دیا جائے گا۔ اس رپورٹ کو خالد شمس الحسن نے "قائد کا تشنہ تکمیل خواب" کے عنوان سے انگریزی زبان میں شائع کردیا تھا۔ اس رپورٹ کی اہمیت کیا تھی؟ اور قائد اعظم پاکستان کو کس طرح اقتصادی لحاظ سے مضبوط دیکھنا چاہتے تھے؟ یہ وہ سوال تھے جن کا جواب حاصل کرنے کے لئے میں نے ایک اور مذاکرے کا اہتمام کیا اور اس میں تحریک پاکستان سے وابستہ بزرگ صحافیوں و دانشوروں کے ساتھ ساتھ ملک کے چند معروف صنعتکاروں اور کاروباری طبقے کے نمائندہ افراد کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ قدرتی طور پر اس مذاکرے میں یہ بحث چھڑ گئی

کہ قیام پاکستان میں صنعتکار طبقے کا کیا کردار تھا۔ ایک طرف بڑے بڑے دعوے کئے گئے جو کہ مبنی بر حقیقت تھے تو دوسری طرف صنعتی اور کاروباری طبقے پر معاشی لوٹ کھسوٹ کے حوالے سے سخت تنقید کی گئی' اس کے جواب میں جاگیردار طبقے کی خرابیوں کو اچھالا گیا۔ مذاکرے میں خاص طور پر بزرگ صحافی م۔ ش کا رویہ سخت جارحانہ تھا اور ایک مرحلے پر ان کے اور چند صنعتکاروں کے مابین تو تکار کی نوبت آ پہنچی۔

بہرحال یہ مذاکرہ اس حوالے سے رفیع بٹ کی ان مساعی کو اجاگر کرتا ہے جو انہوں نے اپنے کاروباری طبقے کا حصہ ہوتے ہوئے تحریک پاکستان کے لئے انجام دیں۔ اس مذاکرے کے اقتباسات درج ذیل ہیں۔۔۔۔۔

سید بابر علی (سابق وفاق وزیر خزانہ اور پیکیجز گروپ کے سربراہ):۔

"میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے برصغیر کے سیاسی تغیر و تبدل کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہے۔ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد سے تمام حالات میری نظروں کے سامنے ہیں۔ میں نے منٹو پارک کے اجلاس میں شرکت کا اعزاز حاصل کیا۔ قائد اعظم سے ہمارے خاندان کی قربت کے سبب مجھے بابائے قوم کا بھی قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے خود بھی تحریک پاکستان میں حصہ لینے کا شرف اور اعزاز حاصل ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت قائد اعظم کوئی اقتصادی ماہر نہ تھے لیکن وہ

ایسے مدبر اور دور اندیش قائد ضرور تھے جنہیں یہ احساس تھا کہ پاکستان کے قیام سے ہی مسلمانان برصغیر کے تمام حقوق کی نگہداشت ہو سکتی ہے۔

قائد اعظم اپنی ذات میں با اعتماد ہونے کی وجہ سے مالی امور میں خاصا ورک رکھتے تھے۔ انہوں نے سٹاک ایکسچینج کا کاروبار کیا اور اس سرمایہ کاری سے منافع بھی کمایا' وہ ہمیشہ سرمایہ کاری کے مواقع کی تلاش میں رہتے۔ انہوں نے بڑی دانش مندی سے سرمایہ لگایا۔ انہوں نے بمبئی اور دہلی میں املاک بھی خریدیں۔ میں دونوں جگہوں پر جا چکا ہوں۔ پھر انہوں نے کراچی اور لاہور میں بھی پراپرٹی میں سرمایہ لگایا۔ قائد اعظم نے ہمیشہ متمول مسلمانوں کو بھی دانش مندی سے سرمایہ کاری کی ترغیب دی۔ انہوں نے بینکاری کے شعبے میں بھی مسلمانوں کو سرمایہ کاری کے لئے متوجہ کیا کیونکہ اقتصادیات کا مرکز بینکاری ہی ہوتی ہے۔ انہوں نے حبیب خاندان کو بمبئی میں بنک قائم کرنے کو کہا اور مسلمانوں سے بھی کہا کہ اس بنک سے تعاون کریں۔ مجھے یاد ہے کہ ۴۰ء کے عشرے میں محمد علی حبیب لاہور آئے۔

انہوں نے مسلمان خاندانوں سے معاونت کی درخواست کی۔ مسلمان ان دنوں چار علاقوں میں اقتصادی سرگرمیوں میں پیش پیش تھے۔ ایک تو کلکتہ تھا جہاں اصفہانی کا بزنس تھا۔ قائد اعظم ان کے ہاں قیام کرتے۔ آدم جی سے بھی ان کی ملاقاتیں رہیں۔ بمبئی میں تو قائد اعظم خود رہتے' اس لئے مسلمانوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ جنوب میں بھی مسلمانوں کا کاروباری طبقہ بڑی حد تک منظم تھا۔ لاہور میں چند خاندان بزنس میں تھے۔ قائد اعظم

کو احساس تھا کہ ملک بھر میں مسلمانوں کی معاشی حالت بڑی پتلی ہے۔ زیر نظر کتاب میں کمیٹی کی فہرست پر نظر ڈالیں جنہیں نئی مملکت کی معاشی منصوبہ بندی کا کام سونپا گیا تو ان میں بزنس مین بہت کم ہیں۔ سوائے اصفہانی کے باقی یا تو ماہرین اقتصادیات ہیں یا سکالرز۔ قائد جانتے تھے کہ مسلمانوں کو معاشی میدان میں آگے لانے لے لئے حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ زیادہ تر مسلمان صرف تجارت کے شعبے میں تھے اور بہت کم کا تعلق صنعتی یا مینوفیکچرنگ کے شعبے سے تھا۔ احمد آباد ٹیکسٹائل کا مرکز تھا اور اس میدان میں ہندوؤں کو بالادستی حاصل تھی۔ پھر کلکتہ میں پٹ سن کا کاروبار تھا جس پر مارواڑی اور گجراتی چھائے ہوئے تھے۔ جنوبی انڈیا میں کانپور کے ارد گرد مسلمان زیادہ تر چمڑے کے کاروبار میں تھے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی فلور ملز تھیں لیکن جننگ میں مسلمان زیادہ نہیں تھے۔ جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ ہندوؤں نے جننگ کی جو فیکٹریاں چھوڑیں' ان کا کنٹرول کو آپریٹو ڈیپارٹمنٹ نے سنبھالا لیکن کسی کو یہ فیکٹریاں چلانے کا تجربہ نہ تھا۔ لیکن تحریک پاکستان میں ایک جوش و جذبہ ضرور موجود تھا کہ آگے ترقی کرنی ہے' اگرچہ وسائل محدود تھے۔ حکومت کے دفاتر میں ٹائپ رائٹر بھی کافی تعداد میں موجود نہ تھے لیکن حکومت کا کام ایک لمحے کے لئے بھی بند نہ ہوا۔ عوام میں یہ جذبہ تھا کہ دنیا پر ثابت کرنا ہے کہ ہم زندہ رہ سکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے' برلا نے تقسیم ہند سے کچھ عرصہ قبل بعض ماہرین اقتصادیات کی مدد سے ایک رپورٹ شائع کی کہ پاکستان معاشی طور پر زندہ نہیں رہ سکتا۔

میں اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے یہی کہوں گا کہ قیام پاکستان کے وقت بے پناہ جذبے دیکھنے میں آئے۔ ہر پاکستانی خواہ اس کا تعلق کسی بھی

سیاسی پارٹی یا کسی بھی مذہبی مسلک سے تھا' پاکستان کو قائم و دائم دیکھنا چاہتا تھا۔ ہر شخص پاکستان کی حقیقت کو دنیا سے منوانا چاہتا تھا۔ یہی وہ فضا تھی جس نے نئی مملکت کو ٹھوس معاشی و صنعتی ترقی کی بنیاد فراہم کی۔"

میاں محمد شفیع (م۔ش):۔

"تحریک پاکستان کے عروج کے زمانے میں مجھے یہ سعادت حاصل رہی کہ میں نے ایک اخباری رپورٹر کے فرائض انجام دیئے۔ اور اسی حیثیت سے میں نے حضرت قائد اعظم اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو قریب سے دیکھا۔ میں علامہ اقبال کے افکار اور فلسفے کا بھی ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ بانیان پاکستان نے نئی مملکت کے لئے اسلام کا وہ اقتصادی نظام چنا تھا جو خالصتا ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کا ضامن ہے اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ قائد اعظم نے بھی پاکستان کی اقتصادی منصوبہ بندی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس میں لاہور سے ایک نوجوان رفیع بٹ کو ممبر لیا گیا تھا۔ وہ لاہور کا معروف صنعت کار تھا۔ ان دنوں چنیوٹ کے لوگ، جہلم کے سہگل اور لاہور کے چند کاروباری مسلمان بتدریج ایسی قوت کی شکل اختیار کر رہے تھے جو نئے ملک کا اقتصادی خاکہ تیار کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔

مجھے یاد ہے کہ قائد اعظم نے ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہم جانتے ہیں کہ ہمارے عوام کس

طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں دیہات میں جاتا ہوں' ان کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں۔ یہاں پر جاگیردار ہیں' کچھ سرمایہ دار ہیں جو کہ حکمرانی کر رہے ہین۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جس پاکستان میں جاگیرداری ہوگی' سرمایہ داری ہوگی' میں ایسا پاکستان نہیں لوں گا۔"

جناب! یہ بات ریکارڈ کی ہے اور چودھری محمد علی نے اپنی ظہور پاکستان میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ بد قسمتی یہ ہے کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد یہ ملک جاگیرداروں کے ہاتھ میں چلا گیا اور صنعتی میدان میں صنعت کار چھا گئے۔ اور وہ خواب جو اقبال نے دیکھا تھا' وہ ادھورا رہ گیا۔ ایک بد قسمتی یہ بھی ہوگئی کہ انہوں نے معاشی منصوبہ بندی کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی' وہ بھی اپنا کام مکمل نہ کر سکی اور یوں نئی مملکت خداداد میں جاگیرداروں اور صنعت کاروں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ قائد اعظم نہ جاگیرداری کو پسند کرتے تھے اور نہ صنعت کاروں کی بالادستی کے حامی تھے۔ حضرت قائد اعظم استحصالی نظام سے نفرت کرتے تھے مگر آج اس چنگل میں ہم بری طرح پھنس چکے ہیں۔ غریب کا بری طرح استحصال ہو رہا ہے۔ اسے آج بھی دو وقت کی روٹی میسر نہیں۔ کس قدر بد قسمتی کی بات ہے کہ ایک ایسا حصہ جو پورے ہندوستان کی غذائی ضروریات پوری کرتا تھا' آج یہاں گندم کی ضروریات پوری کرنے کے لئے زر مبادلہ خرچ کر کے درآمدات پر انحصار کرنا پڑ رہا ہے۔ حضرات! یہ تو قائد اعظم کے خوابوں کا پاکستان نہیں تھا۔ پاکستان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ چند بڑے خاندانوں کو اجارہ داری حاصل ہو۔ اور محروم طبقے پہلے کی طرح محرومیوں کا شکار رہیں۔ پاکستان نے تو عام مسلمان

کی زندگی میں مکمل انقلاب کی نوید سنائی تھی۔ ہر شخص نے نئی مملکت سے اپنی خوش حالی کو وابستہ کیا تھا۔ پاکستان نے تو عام آدمی کی قسمت کو بدلنا تھا، ہمیں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے کہ اقبال و قائد کے نظریات کیا تھے، ہماری منزل کیا تھی، ہم نے دنیا کو ایک ماڈرن اسلامی جمہوری فلاحی ریاست کا نمونہ بن کر دکھانا تھا۔ آج ہمیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر جواب دینا چاہئے کہ کیا ہم نے قائد کے خواب کو پورا کیا ہے۔"

ایس ایم مسعود (معروف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ):۔

"اس کتاب اور اس موضوع کے حوالے سے میں قائد اعظم کے اس خواب پر بات کروں گا جو ہنوز تشنہ تعبیر ہے۔ ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کراچی کے اجلاس میں قائد اعظم نے تقریر کرتے ہوئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی۔ اس کمیٹی میں دو بینکر اور کچھ اساتذہ کرام تھے۔ انڈیا کے کونے کونے سے تقریباً چالیس آدمیوں کو مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کی منصوبہ بندی کا فریضہ سونپا گیا۔ مسلمانوں کی حالت نہایت ناگفتہ بہ تھی۔ اقتصادی طور پر ہندو کو بالادستی حاصل تھی اور مسلمانوں کو ثانوی قسم کے کام ملتے تھے۔ بہرحال انڈیا میں الیکشن ہوئے اور صوبوں میں مسلم لیگ کی حکومتیں قائم ہوئیں تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اب مسلمانوں کی معاشی حالت سدھارنے کے لئے بھی پلاننگ ہونی چاہئے۔ چنانچہ قائد اعظم نے ۵ نومبر ۱۹۴۴ء کو جو تقریر کی تو اس میں انہوں نے اپنا ذہن کھول کر رکھ دیا۔ قائد نے کہا تھا:۔"ہمارا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ امیر، امیر تر ہو جائے اور دولت

کاارتکاز چند ہاتھوں میں ہوکر رہ جائے۔ ہمیں عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کرنے کا مطمح نظر اپنانا چاہئے۔"

یہ تھا قائد اعظم کا خواب اور یہ تھا وہ نظریہ جس کی تکمیل کے لئے حضرت قائد اعظم نیا ملک حاصل کرنا چاہتے تھے مگر ہوا یہ کہ کمیٹی اپنا کام مکمل نہ کر سکی۔ ویسے مسلمانوں کو وسائل بھی میسر نہ تھے۔ کوئی شخص بھی پیسہ خرچ کرنے والا نہیں ملتا تھا' بہرحال اس کمیٹی کی کارروائی سے یہ بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ قائد اعظم کیا چاہتے تھے اور ہمیں یہ جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم نے وہ منزل حاصل کرلی.....؟؟؟ جو قائد کا خواب تھی۔

کمیٹی کو جو کام سونپے گئے تھے' ان میں

مسلمانوں کی تیز رفتار معاشی ترقی کے لئے اقدامات

زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ

بھاری صنعتوں میں خود کفالت کا حصول

افراط زر کی روک تھام

لیبر پالیسی کی تشکیل اور اس پر عمل درآمد

شرح آبادی میں اضافے کا رجحان

تعلیم کا موثر نظام وضع کرنا

روزگار عام کرنے کا منصوبہ

کاشت کاروں کا تحفظ اور زمینداروں کے ناجائز اختیارات کا خاتمہ۔

سان فرانسسکو میں منعقدہ بین الاقوامی ریڈ کراس کانفرنس میں شرکت کا منظر

امریکہ میں کاروباری طبقے کے نمائندہ افراد سے ایک ملاقات

یہ تھا اس کمیٹی کا چارٹر۔ آج اس کی روشنی میں ہم اپنا جائزہ لیں تو یہ ٹھیک ہے کہ کارخانے لگ گئے ہیں اور زندگی کی ریل پیل نظر آتی ہے لیکن دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے۔ ایک تازہ رپورٹ کے مطابق جائز اور ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت دو یا تین فی صد ہاتھوں میں ہے۔ ہمیں سوچنا چاہئے کہ کیا واقعی پاکستان انہی چند افراد کی خوش حالی کے لئے بنا تھا۔ قائد اعظم نے تو سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان کسی سسٹم کو اپنانے کی بات کی تھی اور یہ سسٹم میرے خیال میں مساوات کا ہے۔ مساوات کا وہ اصول جو اسلام ہمیں سکھاتا ہے۔ آج تعلیم کا نظام خرابیوں کا شکار ہے۔ لا اینڈ آرڈر کی صورت حال بگڑ چکی ہے۔ رشوت عام ہے۔ حقدار کو حق نہیں ملتا۔ ظاہر ہے یہ وہ معاشرہ تو نہیں جس کی تشکیل حضرت قائد اعظم کا مقصود تھا۔ آج ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ایک بار پھر حضرت قائد کی تعلیمات پر نگاہ ڈالیں اور ایک فلاحی معاشرے اور عام آدمی کی خوشحالی کے حصول کے لئے اسی جذبے سے کام کریں جس سے قائد اعظم اور ان کے ساتھی سرشار تھے۔ ہم منزل سے دور ہیں، ہم راستہ بھی بھٹک چکے ہیں۔ ہمیں مل جل کر اپنی سمت درست کرنی چاہئے اور قائد کے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانا چاہئے"

میاں آفتاب شیخ (سن شائن گروپ آف انڈسٹریز):۔

"میں تمام دوستوں سے معذرت کے ساتھ گفتگو کا آغاز کروں گا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اب تک مقررین نے انتہائی مایوسی کا اظہار کیا ہے اور قائد کا خواب تشنہ قرار دیا ہے لیکن حقیقت اسکے برعکس ہے۔ میں آپ

کے نظریات سے سختی سے اختلاف کی جرات کروں گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ جو حالات ۱۹۴۳ء میں بھی مسلمانوں کی قسمت بنے ہوئے تھے' وہ ۱۹۹۳ء میں بھی مسلمانوں کی قسمت بنے ہوئے ہیں۔ ہرگز نہیں.....! حالات بدلے ہیں' زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس وقت ایک یا دو فی صد مسلمان خوش حال تھے۔ آج کم ازکم پینتیس فی صد مسلمان خوش حال ہیں۔ میں آپ کو اپنے خاندان کا قصہ سناتا ہوں۔ ۱۹۳۶ء میں ہماری فیملی کی ۲۶ جننگ فیکٹریاں' فلور ملز' آئل ملز وغیرہ سرہند شریف سے لے کر رحیم یار خاں تک تھیں۔ سرہند شریف میں تین کارخانے تھے۔ رحیم یار خاں' بہاولپور' ملتان' میاں چنوں' میلسی' گوجرانوالہ' لاہور' فیصل آباد' قصور میں بھی ملیں اور فیکٹریاں چل رہی تھیں۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک ہندو میرے دادا کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا۔ اس پر بمبئی میں گئوشالہ ٹرسٹ کی ایک میٹنگ ہوئی کہ جس شخص نے اس ہندو کو مسلمان کیا ہے' اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے۔ میٹنگ میں ہندوؤں نے کثرت رائے سے فیصلہ کیا کہ ہماری فیملی سے کاروبار بند کر دیا جائے۔ یہ معاشی مقاطعہ تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہماری ۲۶ فیکٹریاں بند ہو گئیں۔ اس پر ہمارے گروپ نے ایک وفد ترتیب دیا جس میں میرے دادا' میرے والد' اور میرے ماموں شامل تھے۔ یہ لوگ گئے اور انہوں نے ہندوؤں کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہندو اپنی مرضی سے مسلمان ہوا ہے' اس پر نہ تو جبر کیا گیا ہے' نہ اسے لالچ دیا گیا ہے۔ بڑی بحث کے بعد ہندوؤں نے کہا کہ آپ کے ساتھ کاروبار کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ آپ

ایک ہزار روپے کے سودے پر ایک پیسہ گئو شالہ ٹیکس دیا کریں۔ ہماری فیملی نے کاروباری مجبوری کے تحت دو سال تک یہ ٹیکس ادا کیا۔ لیکن بالاخر یہ ہماری برداشت سے باہر ہو گیا۔ خاندان والوں نے سوچا کہ یہ ذلت کب تک برداشت کریں گے۔ فیصلہ ہوا کہ آئندہ سے گئو شالہ ٹیکس دینا بند کریں خواہ کاروبار بھی کیوں نہ بند ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کارساز ہے' حسن اتفاق سے انھی دنوں بنگال میں قحط پڑا اور ہماری آٹے کی مل خوب چلی۔ اس طرح امرتسر میں فسادات ہوئے۔ یہاں بھی حالات ہمارے موافق ثابت ہوئے اور ہم نے مسلمانوں میں ایک نیا کاروباری طبقہ پیدا کیا۔ اس وقت سارے انڈیا میں دو سو روپیہ ماہوار کمانے والے کل ۲۰ افراد نہیں تھے۔ آج بیس لاکھ آدمی ایسے ہیں جو پچاس ہزار روپیہ ماہوار کماتے ہیں۔ یہ ناشکری کی انتہا ہے کہ ہم اپنی کل کی حالت کو بھول گئے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آج جو کچھ ہیں' صدیوں سے اسی طرح خوش حال چلے آرہے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دار امیر سے امیر تر ہوتا جارہا ہے۔ کیا سرمایہ دار ہونا اسلام میں برائی ہے۔ کیا حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امیر آدمی نہیں تھے۔ آج کل کے امیر آدمی ان کے مقابلے میں امارت کا کیا دعوی کر سکتے ہیں۔ ۱۳ ہزار اونٹ' تیرہ ہزار وردیاں بنا دینا' کیا کسی غریب کے بس کی بات ہے۔ کل چودہ ہزار درکار تھے جس میں سے اکیلے حضرت عثمان کا حصہ تیرہ ہزار کا تھا۔ اس طرح کی سرمایہ داری میں کیا برائی ہے۔ وہ سرمایہ جو ایمانداری سے کمایا جائے' وہ بابرکت اور نیک سرمایہ ہے' اس کو کمانا چاہئے۔ قائد اعظم نے اس سرمائے کے حصول سے منع نہیں کیا' نہ "امیر' امیر تر نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جائز روزی نہ کمائی جائے۔ ایک

آدمی اگر محنت کرے گا' اس کے دس بیٹے اس کے ساتھ محنت کریں گے تو وہ سو کی جگہ دو سو کیوں نہیں کمائے گا۔ اسے کیوں حق نہیں پہنچتا کہ سو کی جگہ دو سو کمائے۔ ایک مل کے بعد دوسری لگائے۔ پھر تیسری لگائے۔ یہ معاشی سرگرمی ہے۔ اس کا فائدہ تنہا ایک فرد کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو پہنچتا ہے۔ اس میں لوگوں کو نوکریاں ملتی ہیں' ملک سے بے روزگاری کم ہوتی ہے' اس طرح سو معاشرتی برائیوں کا قلع قمع ہوتا ہے۔ قائد اعظم کا مطلب بھی یہ تھا کہ امیر آدمی استحصال کر کے امیر نہ ہو۔ کبھی پاکستان کے اعداد و شمار پر نظر ڈالیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ ترقی کیا ہوتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں روئی کی سات لاکھ گانٹھ پیداوار تھی۔ اب یہ ایک کروڑ پچاس لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ ترقی نہیں تو کیا یہ تنزلی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ۵۶ ہزار تکلے تھے' اب ۸۰ لاکھ تکلے چل رہے ہیں' ۱۲۰ کھڈیاں تھیں' آج دس لاکھ کھڈیاں چل رہی ہیں۔ ایک پرانی پرنٹنگ مشین تھی' اب ۱۴۳ مشینیں چل رہی ہیں۔

اسلامی مملکت میں رزق حلال کمانے کی کوئی حد نہیں ہے۔ جہاں تک خود انحصاری کے نعرے کا تعلق ہے' مجھے دنیا میں کوئی دس ملک ایسے بتادیں جو مکمل طور پر خود انحصاری اور خود کفیل ہونے کے دعویدار ہوں۔ نہ انگلینڈ خود انحصار ہے' نہ ہالینڈ خود انحصار ہے' نہ سیکنڈے نیویا خود انحصار ہے' یہ نعرہ بہت خوش نما ہے لیکن اس کی عملی صورت دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ ہم تو اس انسانی علم سے محروم ہیں جو ہمیں مادی ترقی کی طرف لے جاسکتا ہے۔ کیا ابو ظہبی' کویت اور سعودی عرب میں ہزار سال پہلے تیل نہیں تھا...؟ یقیناً تھا لیکن مسلمان اس علم سے اور ٹیکنالوجی سے تہی دست تھے جس کی مدد سے

تیل کی تلاش ہو سکتی تھی۔ یہ علم امریکہ کے پاس تھا' اس نے ہر جگہ سے تیل نکال کر دکھایا۔ اور یہاں آپ سرمایہ داری پر تنقید کر رہے ہیں۔

کیا سرمائے کے بغیر دنیا میں کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ اب تو سرمائے کے بغیر جدید علم اور ٹیکنالوجی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

میں پوچھتا ہوں کہ سرمایہ داری میں قباحت کیا ہے۔ میں یہاں موجود ہوں۔ ہم نے ایک مل سے دو ملیں لگائی ہیں۔ ہم نے پیسہ کمایا ہے اور دو کروڑ سے گلاب دیوی میں وارڈ بنا رہے ہیں۔ کیا یہ پیسے کے بغیر ممکن ہوتا۔ کیا یہ گناہ ہے؟ ہمارے ہاں سرمایہ داری کو گالی دینا فیشن بن گیا ہے۔ سرمایہ دار خود کو بھی گالی دیتا ہے۔ آپ لوگ میاں افتخار الدین کو یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ سب سے بڑے سرمایہ دار تھے۔ وہ کیمونسٹ نہیں تھے' میرے بزرگ تھے' میں ان کے پاس جاتا تھا' میں ان کو قریب سے جانتا ہوں۔ میں یہاں اپنی بات پھر دہراؤں گا کہ ہم لوگوں نے ترقی کی ہے لیکن خوب سے خوب تر کی تلاش جاری رکھنی چاہئے۔ ایک منزل کے بعد اگلی منزل پر نظر رہنی چاہئے۔ پیسے کے ساتھ برائیاں بھی آتی ہیں۔ کوریا میں ایک صنعت کار پچیس گن مین اپنے ساتھ رکھتا ہے' میں خود اغوا ہوا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ملک چھوڑ دیا جائے۔"

ڈاکٹر مسکین علی حجازی (چیئرمین شعبہ ابلاغیات' پنجاب یونیورسٹی):۔

"یہاں یہ بات کہی گئی ہے اور بجا طور پر کہی گئی ہے کہ قائد اعظم معروف معنوں میں ماہر اقتصادیات نہیں تھے لیکن ان جیسا مدبر معاشی حقائق سے بے تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ دماغ جس کو پاکستان کے قیام کا اعزاز اور شرف حاصل ہوا' وہ معاشی تقاضوں سے بھی صرف نظر نہیں کر سکتا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں منزل کا تعین ہوا تو جدوجہد میں بھی تیزی آگئی۔ راستے کی مشکلات میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے نئی مملکت کے لئے ٹھوس عملی منصوبہ بندی نہ کی جا سکی لیکن اس کے لئے سوچ موجود تھی۔ اور قائد اعظم نے ۱۹۴۳ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کراچی میں ایک قرارداد کے ذریعے زیر بحث کمیٹی کی تشکیل کی' اس قرارداد میں کمیٹی کے بنیادی محرکات اور مقاصد کا تعین کیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ مسلمانوں کے لئے اقتصادی اور معاشی ترقی کا عمومی پروگرام۔ دوسرا نکتہ یہ تھا کہ وہ علاقے جو پاکستان میں شامل ہو رہے تھے' وہاں صنعتوں کے قیام کی منصوبہ بندی' مفت پرائمری تعلیم کا اہتمام' زرعی نظام کی اصلاح اور محنت کشوں کی حالت زار کو سدھارنا۔ ان مقاصد کے لئے کمیٹی بن گئی اور قائد اعظم نے ان ارکان کے سامنے تقریر کی۔ اس تقریر میں وہ بنیاد موجود ہے جو قائد کے معاشی افکار و نظریات کو نمایاں کرتی ہے۔ میرے نزدیک اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ہمیں نہ اشتراکیت درکار ہے اور نہ ہمیں سرمایہ داری سے کوئی سروکار ہے بلکہ ہمیں اسلام کے عادلانہ معاشی نظام کو اپنانا چاہئے۔

قائد کے ذہن میں اس نظام کا نقشہ واضح تھا لیکن ایک جمہوریت پسند رہنما کی حیثیت سے وہ اس پروگرام کے خدوخال کے تعین کا کام کمیٹی پر

چھوڑنا چاہتے تھے تاکہ ملت کے بہترین دماغ مستقبل کے لئے ایک قابل عمل پالیسی تشکیل دیں۔ کمیٹی پر قائد اعظم نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ ایسا معاشی نظام نہیں چاہتے جس میں امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر ہو جائے اور دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو کر رہ جائے۔ میرے نزدیک یہ اصول ایک جدید اسلامی فلاحی معاشرے کے لئے بنیادی چارٹر کی حیثیت رکھتا ہے۔ قائد اعظم کو عام مسلمان کی زبوں حالی کا دکھ تھا اور وہ اس کا درماں تلاش کرنا چاہتے تھے۔ کمیٹی کو یہی کام سونپا گیا تھا' اس کی پندرہ ذیلی کمیٹیاں بھی بنیں اور سوچنے' سمجھنے والے دماغوں کو یکجا کیا گیا۔ ان میں مرحوم رفیع بٹ بھی شامل تھے۔ ان کی خدمات ہماری ملی تاریخ کا قابل قدر حصہ ہیں۔ لیکن بد قسمتی یہ ہوئی کہ یہ کمیٹی اپنا کام مکمل نہ کر سکی۔ در حقیقت اس کمیٹی کو بہت دشوار حالات کا سامنا تھا۔ ایک بار تو خود حضرت قائد اعظم نے ایک ہزار کا چیک ارسال کیا تاکہ کمیٹی کے اخراجات پورے ہو سکیں۔

www.freepdfpost.blogspot.com

میں سمجھتا ہوں کہ کمیٹی کی کارروائی میں وہ بنیادی نکات موجود ہیں جو آج بھی ہمارے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک نکتہ تو بنیادی معنویت کا حامل ہے کہ اقتصادی ناہمواریوں کو ختم کرنے کے لئے عام آدمی کی زندگی آسان بنائی جائے۔ تعلیم عام کرنے کی سفارش بھی اہمیت کی حامل ہے۔

کمیٹی کے ایجنڈے پر زمینداری سسٹم کے خاتمے کا ذکر بھی آیا۔ اس نظام نے جو خرابیاں پیدا کی ہیں' وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ پچاس سال کے دوران کسی

بھی حکومت کو یہ توفیق نہیں ہو سکی کہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنا کر پاکستان کی معاشی منصوبہ بندی کرے۔

ہمارے پاس ایک معاشی منشور موجود ہے جو بہترین دماغوں کی پیداوار ہے۔ کاش ! اسے بروئے کار لایا جاسکے اور قائد کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا جاسکے۔ ہماری بقا' ہمارے استحکام اور ہماری ترقی و خوشحالی کا راز اس پروگرام پر عمل در آمد میں ہے۔"

مصطفیٰ علی جاوا (جاوا گروپ آف انڈسٹریز) :۔

"مسلمانان بر صغیر کے لئے پاکستان ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ہے۔ حضرت قائد اعظم کا لاکھ لاکھ تشکر بھی بجالائیں تو ان کے احسان عظیم کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی جو حالت تھی' وہ ہماری تاریخ کا شرم ناک ترین باب ہے۔ مسلمان نہ صرف سیاسی طور پر انگریز کے غلام تھے' بلکہ معاشی طور پر ہندو اکثریت کے پنجے میں پھنسے ہوئے تھے۔ تعلیم کے میدان میں وہ پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے معاشرتی طور پر ہندو کو ہی بالادستی حاصل تھی۔ ملازمتوں میں بھی مسلمانوں کو بہت کم نمائندگی حاصل تھی۔ سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کی حالت کو کیسے ٹھیک کیا جائے۔ یقینی طور پر متحدہ ہندوستان میں مسلمان اس حالت زار سے دوچار رہتے اور انگریز کے چلے جانے کے بعد ہندو اکثریت مسلمانوں کو مزید کچل کر رکھ دیتی۔ ان اندیشوں کے پیش نظر بانیان پاکستان نے انگریز اور ہندو دونوں سے آزادی

کی تحریک شروع کی اور ایک الگ مملکت کے حصول کے لئے وہ عظیم جدوجہد شروع ہوئی جو ہماری قومی تاریخ کا زبردست سرمایہ افتخار ہے۔"

چودھری محمد اسلم (انجینئر اور چیئرمین کونسل آف نیشنل افیرز):۔

"قائد اعظم ایسا دور اندیش اور وسیع النظر انسان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس ملک کے لئے اتنی قربانیاں دی گئی ہیں' آزادی کے بعد اس ملک کی دولت اور وسائل پر چند ہاتھ قابض ہو جائیں گے۔ انہوں نے تو بارہا اس ضمن میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم پاکستان کی شکل میں صرف ایک زمین کا ایک ٹکڑا حاصل نہیں کر رہے ہیں بلکہ پاکستان ایک ایسا خطہ زمین ہو گا جہاں ہر شہری کو اس کی ضروریات زندگی کے مطابق عزت کی روٹی' صحت کی بنیادی سہولتیں' سر چھپانے کو مناسب مکان' تعلیم میسر آئے گی۔ پاکستان تو قائد اعظم کی آرزوؤں اور خوابوں کی تعبیر ہے۔ انہوں نے بیشتر مواقع پر متعدد بار یہ ارشاد فرمایا کہ پاکستان ایسا ملک ہو گا جہاں کسی کا حق غصب نہیں ہونے دیا جائے گا' جہاں اسلام کی مبادیات کے مطابق سیاسی' مذہبی اور اقتصادی آزادی ہوگی' مگر ہماری بدقسمتی یہ ہوئی کہ قائد اعظم ہم سے جلد جدا ہو گئے۔ ہم ان سے زندگی کے جن جن شعبوں میں روشنی اور رہنمائی حاصل کر سکتے تھے' ان سے ہم محروم ہو گئے اور ان کے بعد جو لوگ حکومت اور اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہو گئے' وہ یونینسٹ ٹائپ کے لوگ تھے۔ جنہیں پاکستان' نظریہ پاکستان' حصول پاکستان کے مقاصد سے کوئی واسطہ اور دلچسپی

نہیں تھی بلکہ اس موقع پرست گروہ کو مملکت خداداد کی دولت سے غرض تھی۔

دیانت داری سے جب میں اپنے وطن عزیز کا مقابلہ تھائی لینڈ' انڈیا' کوریا وغیرہ سے کرتا ہوں تو ان سب ممالک میں جو گیا گذرا ملک تصور کیا جاتا ہے' وہ تھائی لینڈ ہے۔ پاکستان کی معاشی ترقی تھائی لینڈ کے مقابلے میں بھی کئی گنا پستی میں گر گئی ہے۔ انڈیا اور کوریا وغیرہ کو تو رکھیں ایک طرف۔ ہم تو خود کو تھائی لینڈ کے مقابلے میں کھڑا نہیں کر سکے۔

اگر پاکستان نہ بنتا تو میں کس حال میں ہوتا۔ اس سوال کا جواب چنداں مشکل نہیں ہے۔ جب میں تشکیل پاکستان سے قبل کے حالات کا مطالعہ کرتا ہوں اور ہندو کی غاصبانہ اور ظالمانہ ذہنیت کا تجزیہ کرتا ہوں تو مجھے سو فی صد یقین ہو جاتا ہے کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو آج میں کسی جگہ جمعدار یا چپڑاسی یا چوکیدار کی نوکری کر رہا ہوتا اور ہندو مجھ سے شودروں ایسا برتاؤ کر رہا ہوتا۔ آج میں جو کچھ ہوں' پاکستان کی بدولت ہوں۔ میں اگر سو بار بھی جنم لوں اور ہر مرتبہ پاکستان کی جان توڑ کر خدمت کروں تو پھر بھی میں پاکستان کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ پاکستان محاورتاً نہیں' واقعتاً جنت ارضی ہے۔"

میاں عبدالوحید ایم این اے (سابق سفیر):۔

"قائد اعظم نے پاکستان کے سیاسی منظر کے حوالے سے جو کچھ بھی اپنے ذہن میں نقشہ بنایا ہو گا' وہ یقیناً موجودہ پاکستانی نقشے سے مختلف ہو گا۔

پاکستان بننے کے بعد ہمارے ہاں صنعتی میدان تو بالکل خالی پڑا تھا۔ ہمارے پاس ہنرمند لوگوں کی بھی کمی تھی۔ اگر چند صنعتیں کہیں تھیں بھی تو انہیں چلانے اور ہینڈل کرنے والے ہاتھ موجود نہ تھے۔ تعلیم کا بھی یہی حال تھا' ہندو نے انگریز سامراج کی سرپرستی میں بڑی چالاکی کے ساتھ مسلمانوں کا ہر شعبہ زندگی سے پتہ کاٹ دیا تھا اور اس کا بھرپور احساس ہمیں پاکستان بننے کے فوراً بعد ہونے لگا تھا۔

پنجاب اور سندھ کے جاگیرداروں اور وڈیروں' بلوچستان کے سرداروں اور سرحد کے خوانین ہی فی الاصل ہماری قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے رہے۔ ایوب خان کے زمانے تک پنجاب اور سندھ کے بیشتر علاقوں میں جاگیردار اور وڈیرے پرائمری سکول تک نہیں بننے دیتے تھے۔ ایسے حالات میں ترقی کہاں اور کیسے ہوتی؟ تعلیم ملکی ترقی میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے اور ہمارے ہاں سب سے پہلے اسی کا گلا گھونٹا گیا۔ لیکن ان تمام تر رکاوٹوں اور رجعت پسندی کے باوجود ہماری گاڑی بالکل جمود کا شکار نہیں رہی۔ اس میں ترقی ہوئی ہے۔ میں اس ضمن میں آفتاب اے شیخ صاحب سے اتفاق کروں گا کہ ہمارے ہاں منفی رویوں اور منفی سوچ کو زیادہ فروغ ملا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارے نیشنل ڈپریشن کا شاخسانہ ہو' مگر ایک امید پرست پاکستانی ہونے کے ناطے سے میں اس کا برملا اظہار کروں گا کہ پاکستان نے ترقی کی ہے اور ہم آہستہ روی کے ساتھ ہی جناب قائداعظم کے خوابوں کی تکمیل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

لاس اینجلس میں فلمسٹار ایوا گارڈنر کے ہمراہ

ڈاکٹر منیر الدین چغتائی (ماہر سیاسیات و سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی):۔

"پاکستان کی تحریک کے حامی اور پاکستان بنانے کی خواہش رکھنے والے لوگ شروع سے اس بات سے آگاہ تھے کہ مسلمانوں کی معاشی حالت ہندوستان میں اچھی نہیں۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ جن کو آسانی کے ساتھ وہ ختم بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مسلمان ہر جگہ ہندوؤں سے دبے ہوئے تھے۔

[illegible]

قائد اعظم نے ان خطوط کے دیباچے میں یہ بات واضح الفاظ میں لکھی ہے کہ آج سے دس سال پیشتر علامہ اقبال کے جو خیالات ہیں' وہی میرے خیالات ہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ علامہ اقبال' قائد اعظم اور دوسرے لوگ جب پاکستان کے بارے میں سوچتے تھے تو ان کے ذہن میں تھا کہ یہ ایسی مملکت ہوگی جہاں ہر شخص کی بنیادی ضروریات پوری ہوں گی۔ ہر شخص کو تعلیم میسر ہو' ہر شخص کو جان و مال کا تحفظ حاصل ہو اور پاکستان ایک ایسی فلاحی مملکت ہو کہ جس میں لوگ اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں۔

یہاں قائد اعظم کی جس تقریر کا بار بار حوالہ دیا جارہا ہے' اس میں بھی انہوں نے واضح کیا ہے کہ ہم ایسا نظام نہیں چاہتے جس میں امیر' امیر تر ہوتا جائے اور غریب' غریب تر اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جائے۔ یہ بات انہوں نے ۱۹۴۴ء میں مسلم لیگ کی خصوصی پلاننگ کمیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہی تھی۔ یہ بڑی بنیادی بات تھی' اس کتاب کی تقاریر کے مجموعے میں موجود ہے جو جمیل الدین احمد نے مرتب کی ہے۔ ہمیں قائد اعظم کی ایسی تقریر بھی ملتی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ میں امیروں کے لئے' جاگیرداروں کے لئے پاکستان نہیں بنانا چاہتا اور اگر ایسا پاکستان بنانا ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

پاکستان میں ہر جگہ کاروں کی بہتات ہے۔ اس سے تاثر تو یہ ملتا ہے کہ پاکستان بہت امیر ملک ہے۔ لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قیام پاکستان کے وقت آبادی ساڑھے تین کروڑ تھی اور اب بارہ کروڑ ہوگئی ہے۔

یہ تو ٹھیک ہے کہ جن لوگوں کے حالات بہتر ہوئے ہیں' ان کی شرح بھی بڑھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ غریبوں کی شرح میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا ہے جنہیں آج بھی کھانے کو نہیں ملتا۔ آج بھی ایسے علاقے موجود ہیں جہاں پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قائد اعظم نے مسلم لیگ کی جو پلاننگ کمیٹی بنائی تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سیاسی جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ نے زندگی کے ہر شعبے کے مسائل سے نبٹنے کے لئے تیاری کی۔ اس کمیٹی کی پندرہ ذیلی کمیٹیاں بھی بنیں جنہوں نے تمام ممکنہ مسائل پر غور کیا۔ تعلیم' معاشیات' مواصلات اور جدید ترقی کے ہر پہلو پر غور کیا گیا۔ مسلم لیگ نے اس زمانے میں وہ کام کیا جو آج بھی ہماری سیاسی جماعتوں کو کرنا چاہئے۔ افسوس آج ہماری جماعتیں اپنا یہ فرض پورا نہیں کر رہی ہیں۔

حتیٰ کہ خود مسلم لیگ نے یہ کام جاری نہیں رکھا جو قائد اعظم نے اس وقت شروع کر دیا تھا۔ ہماری جماعتیں اب یہ نہیں سوچتیں کہ ہمیں باہر بیٹھ کر اپنی پارلیمانی پارٹی کی مدد کے لئے مطالعاتی اور تحقیقاتی کام جاری رکھنا چاہئے۔ ترقی یافتہ جمہوری ممالک کا خاصا یہ ہے کہ حکومت ایک کام کر رہی ہوتی ہے اور اس کے پیچھے اس کی رولنگ پارٹی کا ڈھانچہ اس کو سپورٹ کرتا ہے اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ پالیسی دیتی ہے' معاملات کو کنٹرول کرتی ہے۔ اس کے پاس ماہرین ہوتے ہیں اور وہ مستقل کام جاری رکھتے ہیں جیسے قائد اعظم نے اپنے دور میں کر دیا۔ آج اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ

پارٹیوں میں ماہرین کی سطح پر تحقیق و مطالعہ کا کام جاری رکھا جائے تاکہ جب بھی حکومت کا موقع میسر آئے تو اپنے منشور کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی دقت نہ ہو اور نہ وقت ضائع ہو۔ ہماری سیاسی جماعتوں کو خاص طور پر پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے ماہرین کی مختلف کمیٹیوں کو اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔

ضرورت اس بات کی بہت زیادہ ہے کہ اگر ہم پاکستان کو مستحکم اور ترقی یافتہ ملک بنانا چاہتے ہیں تو اس میں ایسا نظام رائج ہو جو نہ تو پورا سرمایہ دارانہ ہو' نہ سوشلزم کی کوئی صورت ہو' ہم اسلام پر چلنے والے لوگ ہیں۔ ہمارا دین اعتدال کا درس دیتا ہے۔ لوگوں پر یہ قید نہیں لگ سکتی کہ وہ زیادہ محنت کر کے نہ کمائیں لیکن یہ بھی نہ ہو کہ جو لوگ بہت زیادہ کمائیں' وہ دوسروں کے لئے مصیبت بن جائیں۔ وہ دوسروں کا حق غصب کرنے لگیں اور جو چاہیں کریں۔ اس طرح غریب کا فرض ہے کہ وہ محنت کریں اور آگے آئیں۔ ملک کا نظام ایسا ہو کہ بنیادی ضروریات کی تکمیل حکومت کی ذمہ داری ہو' تعلیم کی فراہمی' امن و امان کا قیام اور انصاف' یہ حکومت کی ذمہ داری ہو۔ ہمارے ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ انصاف سستا کیا جائے حالانکہ اسلام میں انصاف بکتا نہیں ہے' اس لئے اس کے سستا یا مہنگا ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو انصاف فراہم کرے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ انصاف سستا کر دیں گے تو مجھے اس پر بڑی الجھن ہوتی ہے کہ آپ انصاف کو بیچ رہے ہیں۔ انصاف تو لوگوں کا ایک بنیادی حق ہے جو انہیں ملنا چاہئے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قائد اعظم ایسا پاکستان چاہتے تھے جس میں تمام لوگوں کو مساوی مواقع میسر ہوں۔ تمام لوگوں کی بنیادی ضروریات پوری ہوں' یہ ہماری

اصل ضرورت ہے۔ یہ آسان کام نہیں لیکن ہماری اصل ذمہ داری یہی ہے۔ ہمیں پاکستان کو ایسی راہ پر ڈالنا چاہئے کہ پاکستان واقعی قائد اعظم کے خوابوں کی سچی تعبیر ثابت ہو اور اسے ہم دنیا کے سامنے مثال کے طور پر بھی پیش کر سکیں۔"

الیف یو خان (زیب گروپ آف لیبارٹریز):۔

" میں اس معاشرے کا ایک عام کاروباری شخص ہوں۔ میں کوئی عالم فاضل نہیں۔ میری رائے عام پاکستانی کی رائے ہے۔ میں نے پاکستان کو اس کے قیام کے بعد دیکھا ہے اور پاکستان کے لئے جن مقاصد کا ذکر کیا جارہا ہے، میں ان کو سامنے رکھ کر اگر ملک کا جائزہ لوں تو میرا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے اور بعض مسائل پر مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قائد اعظم کے پاکستان نے بلاشبہ اس عام پاکستانی کی حالت میں انقلاب برپا کیا ہے جس نے اسے وطن کے طور پر اپنایا ہے۔ لیکن پاکستان بنتے ہی اس پر جائز اور ناجائز طور پر الاٹمنٹوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ کچھ لوگ پہلے سے جاگیردار چلے آرہے تھے اور کچھ کو نئی زمینیں مل گئیں۔ آباد کاری کے عمل سے پاکستان میں شامل خطے ایک سرسبز انقلاب لائے اور ویرانے بھی لہلہانے لگے۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی ابتدائی حکومتوں نے قائد اعظم کے مشن کو بھلا دیا اور مسلم لیگ کی متذکرہ پلاننگ کمیٹی کی رپورٹوں کو پس پشت ڈال دیا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

آج ہماری جو حالت ہے' سب کے سامنے ہے۔ ہم بال بال مقروض ہیں اور ان قرضوں کی ادائیگی کے لئے نئے قرضوں کے محتاج ہیں۔ ہماری زراعت فی ایکڑ پیداوار میں ہمسایہ ملکوں سے بھی پیچھے ہے اور پورے برصغیر کا اناج گھر آج درآمدی گندم پر گذارہ کر رہا ہے۔ لے دے کے ہماری کپاس کی فصل بڑا ذریعہ آمدنی ہے لیکن ہم خام روئی فروخت کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں اور ٹیکسٹائل کو ترقی دینے کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ موجودہ حکومت نے بلاشبہ صنعتی پالیسیوں کو نئی اور درست جہت دی ہے لیکن معلوم نہیں کیوں ان کے مطابق ابھی کوئی سرگرمی نہیں آتی۔ ممکن ہے لوگ ساز گار حالات کے انتظار میں ہوں اور سیاسی استحکام' امن و امان کے قیام اور انفراسٹرکچر کی بہتری سے سرمایہ کاری شروع کرنا چاہتے ہوں۔ لیکن یہ طرز عمل آزاد اور زندہ قوموں کا شیوہ نہیں ہوا کرتا۔ اگر ہم نے پاکستان لیا ہے تو پھر ہر طرح کے اچھے برے حالات میں اس کی ترقی و تعمیر کا مشن بھی پورا کرنا چاہئے ورنہ قائد اعظم کا خواب یونہی ادھورا رہے گا۔"

ڈاکٹر رفیق احمد (ماہر معاشیات و سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی):۔

"سب سے پہلے میں یہاں اس محفل میں شرکت کی دعوت ملنے پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ حضرت قائد اعظم اور مسلم لیگ کے افکار کے حوالے سے یہ محفل جذباتی رنگ اختیار کرتی جا رہی ہے جس سے مضامین کی تہہ تک پہنچنے میں دشواری پیش آسکتی ہے۔ بہرحال میں چند باتیں عرض کیے دیتا ہوں

www.freepdfpost.blogspot.com

۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس کتاب کے بارے میں عرض کروں گا کہ یہ بڑی اہم دستاویز ہے۔ کوئی بھی تحریک اپنی دستاویزات سے پہچانی جاتی ہے۔ ہم مختلف کتابوں میں پڑھتے چلے آئے تھے کہ مسلم لیگ کی ایک اکنامک پلاننگ کمیٹی تشکیل دی گئی تھی لیکن خالد شمس الحسن کی کتاب نے پہلی بار اس کمیٹی کی تشکیل اور اس کی سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور تحریک پاکستان کا ایک باب ہمارے سامنے کھل گیا ہے۔ کمیٹی کے دو ارکان سے مجھے شرف ملاقات بھی حاصل ہے۔ ڈاکٹر انور اقبال قریشی اور ایم ایل قریشی صاحب۔ وہ اکثر اس کمیٹی کا ذکر کیا کرتے تھے لیکن کسی کے پاس پوری رپورٹ نہیں تھی۔ پنجاب یونیورسٹی نے آج سے گیارہ سال قبل ایک کتاب شائع کی تھی۔۔۔ ''قائد اعظم کی اقتصادی سوچ''۔ جس میں کمیٹی کی تشکیل کا ذکر تھا' باقی تفصیل اس میں نہیں تھی بلکہ کتاب میں افسوس کا اظہار کیا گیا کہ بڑی کاوش کے باوجود اس کمیٹی کی رپورٹ نہیں مل سکتی۔ اس لحاظ سے خالد شمس الحسن کی کتاب کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ قوم کی بہت بڑی خدمت ہے۔

ہمارے ذہنوں میں ایک بات واضح رہنی چاہئے کہ اعداد و شمار کی زبان میں پاکستان کے مسلمانوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے مقابلے میں بلاشبہ قابل ذکر ترقی کی ہے۔ تعلیم کا میدان ہو' انڈسٹری کا ہو' ٹرانسپورٹ کا ہو یا کھیل کا ہو' تاہم اگر مائیکرو لیول پر دیکھا جائے اور ترقی کے ثمرات کا پھیلاؤ دیکھا جائے تو پھر اس محفل میں جذباتی لہجے کی سمجھ بھی آجاتی ہے۔ کسی قوم کے بانی رہنماؤں کے خیالات' بنیادی تصورات اور دستاویزات کی حیثیت ختم نہیں ہو جاتی۔ پاکستان کی تحریک کے بارے میں مغربی مصنفین کی کتابوں سے یہ

تاثر ملتا ہے کہ بانیان پاکستان کے ذہن میں نئی مملکت کے لئے کوئی پروگرام نہیں تھا اور تحریک پاکستان کے دیگر لیڈران کرام اس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں میں الجھے ہوتے تھے کہ انہیں مستقبل کی منصوبہ بندی کی کوئی فکر نہ تھی۔ کم از کم زیر بحث کتاب سے ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ میں جب اس دستاویز پر ایک معیشت دان کے نقطہ نظر سے نظر ڈالتا ہوں تو مجھے یہ بڑی تر و تازہ دستاویز نظر آتی ہے۔ یہ از کار رفتہ یا بوسیدہ نظریات و افکار کی حامل نہیں بلکہ بڑی ترقی پسندانہ سوچ کی حامل ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

میرا خیال ہے کہ پاکستان کا پہلا پنج سالہ منصوبہ کم و بیش اس رپورٹ کی بنیاد پر مرتب کیا گیا تھا۔ لیاقت علی خان کی ٹیکس تجاویز کی زبان بھی من و عن اس دستاویز کے مطابق تھی۔ ایوب خان کے زمانے کی پالیسیاں تو اس سے مختلف ہیں۔ لیکن اس سے قبل دور کی پالیسیوں پر اس رپورٹ کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ کمیٹی کے ممبران نے اس رپورٹ کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ یہ ہمارے موجودہ کسی بھی منصوبے کا بنیادی خاکہ نظر آتی ہے۔ آج کل آٹھواں منصوبہ زیر بحث ہے' اس کے لئے ایک بنیادی خاکہ تیار کیا گیا' جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔ پھر دوسرا خاکہ مرتب کیا گیا' وہ ہو بہو اس رپورٹ سے ملتا جلتا ہے۔ اس رپورٹ میں پندرہ ہزار کروڑ کا ایک منصوبہ بنایا گیا ہے۔ جس میں توسیعی منصوبہ بندی آئندہ بیس برس پر محیط ہے۔ اگر آپ کانگرس کے اس انداز کے منصوبے پر نظر ڈالیں تو اس میں یہ خاصیت موجود نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ہمارے لیڈران کرام نے چار منصوبوں کو اکٹھا کر کے ایک خاکہ تیار کیا ہے اور مستقبل بینی کا

اس سے بین ثبوت اور کیا ہو گا؟ میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ مسلم لیگ کی کمیٹی کے ممبران جاگیردار تھے' صنعت کار تھے یا پروفیسر تھے' میں انہیں مسلمان مفکرین کہوں گا اور وہ اپنے ہم عصر ہندو مفکرین سے اس لحاظ سے ممتاز اور منفرد مقام کے حامل ہیں کہ انہوں نے جدید اپروچ اختیار کی ہے۔ آج کل کے زمانے میں ایک اصطلاح بہت استعمال ہوتی ہے' "بنیادی حاجات" اس رپورٹ میں اس کا استعمال جابجا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ہمارے مفکرین کوئی پیغمبر تھے یا ولی اللہ تھے لیکن کم از کم وہ مستقبل کے تقاضوں سے نابلد نہیں تھے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے بڑی محنت کی۔ عرق ریزی سے کام لیا۔ پندرہ ذیلی کمیٹیاں تشکیل دیں اور ایک ایک نکتے پر گہرا غور و خوض کیا۔ اب اس سوال کا جواب تو مورخ ہی دے سکتے ہیں کہ جب کمیٹی نے ۱۹۴۵ء میں اس رپورٹ کو منظور کر لیا تو پھر مسلم لیگ اس پروگرام کو آگے لے کر کیوں نہ چلی۔ یا تو یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ مسلم لیگ کی زیادہ تر توجہ حصول پاکستان پر مرکوز تھی۔ کوئی بھی وجہ ہو سکتی ہے جب پاکستان بن گیا تو اس رپورٹ کی جھلک پہلے پنج سالہ منصوبے میں ملتی ہے۔ لیکن بعد کے دور کے اسباب جاننے کی ضرورت ہے کہ اس عرصہ میں رپورٹ کو طاق نسیاں کی نذر کیوں کیا گیا....؟

www.freepdfpost.blogspot.com

میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ یہ رپورٹ ایک سیاسی نعرے کے طور پر استعمال کرنے کے لئے مرتب کی گئی۔ ایسا در حقیقت نہیں ہوا۔ اس لئے اسے سیاسی نعرہ قرار دینا زیادتی ہو گی۔ یہ ایک ٹھوس رپورٹ ہے اور اسے بڑے خلوص سے مرتب کیا گیا۔ اس کا بنیادی نکتہ خود قائد اعظم نے وضع

قائد اعظم اور رفیع بٹ کے مابین ایک مکالمہ، مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۴۲ء،
میسرز غلام نبی اینڈ سنز کے احاطے میں

www.freepdfpost.blogspot.com

کر دیا تھا کہ اکانومی عوام کے لئے ہونی چاہئے' خواص کے لئے نہیں۔ دوسرے اس میں خود انحصاری کی بات کی گئی ہے' اس اصطلاح کا یہاں بھی ذکر ہوا ہے اور ہر جگہ اس کا غلط مطلب لیا جاتا ہے۔ اسے عام طور پر خود کفالت کے معنوں میں لیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔ یہ کیفیت دنیا میں کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ خود انحصاری کا تعلق تو انداز فکر سے ہے کہ آپ فیصلے کرتے وقت اپنے وسائل اور ضرورتوں میں توازن برقرار رکھیں۔ اپنے فیصلوں میں کسی اور کا حکم قبول نہ کریں۔ سوچ تو کم از کم آزاد رکھیں۔ اپنا ذہن کسی کے پاس گروی نہ رکھیں۔ خود انحصاری کی اصطلاح کا معاشیات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ معاشرتی علوم کی اصطلاح ہے۔ بہرحال اس رپورٹ میں بار بار اس نکتے کو دہرایا گیا ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے' اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ خاص طور پر دفاع کے معاملے میں دوسروں کی محتاجی سے جلد نجات حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ تعلیم پر بھی بہت توجہ دی گئی ہے۔ آج ہم تیز رفتار صنعتی ترقی کی باتیں کرتے ہیں اور اس کے لئے پالیسیاں وضع کی جا رہی ہیں۔ اس رپورٹ کا مرکزی نکتہ بھی یہی ہے۔ ساری تفصیل میں جانا ممکن نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس رپورٹ میں پچاس سال پہلے آج کل کے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان کے بارے میں واضح منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ اس رپورٹ میں اسلامی اصولوں کا ذکر ہے اور ایک منصفانہ معاشی نظام کے قیام پر زور دیا گیا ہے۔ میں تجویز کروں گا کہ پاکستان کی معاشی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس دستاویز کو بنیادی چارٹر کی حیثیت دی جانی چاہئے۔"

www.freepdfpost.blogspot.com

میاں مظفر علی (چیئرمین وولن ملز ایسوسی ایشن پاکستان):۔

"قائد اعظم کے تصورات میں ہندو کے تسلط و غلبے سے نجات پانے کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک خوش حالی اور ہر طرح کے استحصال سے پاک منصفانہ معاشرے کا قیام تھا۔ انہوں نے پاکستان کے نظام معیشت کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ ہمیں ایسا نظام نہیں چاہئے جس میں امیر' امیر تر اور غریب' غریب تر نہ ہو جائے اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ قائد اعظم محترم نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا' وہ آج جیسا ہے' ہمارے سامنے ہے' سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اسے جس طرح منصفانہ معیشت کی بنیادوں پر استوار دیکھنا چاہا تھا' یہ اس سے الٹ معیشت کی طرف تیزی سے بڑھا ہے اور بڑھ رہا ہے۔ قائد اعظم نے واضح کیا تھا کہ ہمیں نہ تو سوشلزم چاہئے اور نہ ہی کیپٹل ازم بلکہ اسلام کا منصفانہ معاشی نظام چاہئے۔ جس میں امرا کے پاس جتنا بھی ان کی ضرورت سے زائد ہو' وہ ایسے لوگوں کو دے دیا جائے جو اپنی محنت کے باوجود اپنی بقا کے لئے کافی نہ کما سکیں لیکن ایسا کوئی سلسلہ وطن عزیز میں بن نہیں سکا۔ چند بڑی مچھلیاں نہایت تیزی سے تالاب کی سب چھوٹی مچھلیوں کو نگل رہی ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی ہمارے ہاں لوٹ کھسوٹ شروع ہو گئی۔ کلیم اور الاٹمنٹس کے چکر میں اقربا نوازی اور کرپشن کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیاسی عدم استحکام نے کرپشن کی جڑیں اور بھی گہری کر دیں۔ آج ہمارے معاشرے کی بنیاد ہی کرپشن پر ہے۔

دراصل ہمارے ہاں موجودہ ٹیکس سسٹم ہی استحصالی نظام کی سب سے مضبوط بنیاد ہے جس میں غریب اور متوسط طبقے کے افراد کی جمع پونجی

www.freepdfpost.blogspot.com

بڑی مچھلیوں کی جیبوں میں پہنچنے کے تمام تر انتظامات موجود ہیں۔ ٹیکس ڈیپارٹمنٹس کے کارندے اور افسر جس بے دردی سے ملک کو لوٹ رہے ہیں اور کرپشن سے کمائی ہوئی دولت اس ملک میں جس طرح کسی بھی احتساب سے بالاتر ہے' اس سے ٹیکس عائد کرنے اور وصول کرنے کے نظام کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ ٹیکس سسٹم یکسر تبدیل کیا جائے۔ ہم ٹیکس کا سلسلہ ایک بار پھر زیرو سے شروع کریں۔ ٹیکس افسر' ٹیکس تجویز کرنے کے مجاز ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کے لئے مختلف سیکٹرز' صنعتوں' صنعتی علاقوں اور مارکیٹوں کے لوگوں کی اپنی کمیٹیاں ہونی چاہئیں جو اپنے علاقے یا شعبے کے لوگوں کے لئے خود ٹیکس تجویز کریں۔ صرف اسی طرح ٹیکس کی آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہے اور یہی ایک صورت ہے جس سے چھوٹی مچھلیوں کو بڑی مچھلیوں کے منہ کا تر نوالہ بننے سے روکا جا سکتا ہے۔"

ممتاز احمد خاں :۔

"جس چیز کو آفتاب شیخ صاحب نے ترقی سے تعبیر کیا ہے اور دوسرے مقررین کی طرف سے بھی ملوں' پلازوں اور کاروں کی ریل پیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان ملوں اور پلازوں کے پیچھے کسی نے جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور عوام کے کرب کا ذکر یہاں کم ہوا ہے۔ میں امتیاز رفیع بٹ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی کاوش سے تحریک پاکستان کی اہم اور بنیادی دستاویز منظر عام پر آگئی ہے اور نئی نسل کو اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ بانیان پاکستان کے ذہن میں مستقبل کا نقشہ کیا تھا۔ اس لحاظ سے اس

دستاویز کو ایک مستقل اہمیت اور قدر و قیمت کی حامل قرار دیا جانا چاہئے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ پنجاب میں رفیع بٹ کا کردار بڑا نمایاں تھا اور قائد اعظم نے انہیں دیگر سکالرز کے ساتھ اس کمیٹی میں شامل کر کے اپنی مردم شناسی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

آج اس معاشرے میں ابھی ہم لوگ موجود ہیں جنہوں نے یا تو تحریک پاکستان مین براہ راست حصہ لیا یا اس قابل فخر اور شاندار تحریک کا قریب سے مشاہدہ کیا لیکن کل کو جب ہم لوگ اس صفحہ ہستی پر نہیں ہوں گے تو اگلی نسل کو اس کے شاندار ماضی کی یاد صرف اس طرح کی چند کتابیں ہی دلا سکیں گی جن میں پلاننگ کمیٹی کے ارکان نے انتہائی عرق ریزی سے برصغیر کے مسلمانوں کی پس ماندگی کا تجزیہ کیا ہے اور ان کی ترقی و خوش حالی کے لئے پالیسی اصول طے کئے ہیں۔ اس کمیٹی نے قائد کی سوچ کو آگے بڑھایا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ قائد کی سوچ کو اقبال کے افکار سے لاتعلق نہیں کیا جا سکتا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی سوچ قائد کا عمل ہے۔ ایک نے تصور دیا' دوسرے نے اس تصور کو حقیقت کو جامہ پہنا دیا۔

قائد اعظم کی اس فکر کی یہاں بات ہوتی ہے کہ وہ دولت کے ارتکاز کے حامی نہ تھے۔ آج بد قسمتی سے دولت کے ارتکاز کی انتہائی کیفیت نظر آتی ہے۔ غریب کی غربت میں ہی اضافہ نہیں ہوا' اس کی بے توقیری بھی بڑھ گئی ہے اور مقہور و مجبور و بے کس لوگ' با اثر وڈیروں' جاگیرداروں اور بالا دست طبقوں کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں۔ قائد اعظم اور اقبال نے تو اس

www.freepdfpost.blogspot.com

طرح کے معاشرے کا تصور پیش نہیں کیا تھا۔ ہمیں اگر اقبال و قائد کی پالیسیوں سے پیار ہے تو پھر ہمیں ان کو بروئے کار بھی لانا ہو گا اور وہ فلاحی معاشرہ تشکیل دینا ہو گا جس کا خواب بانیان پاکستان نے دیکھا تھا۔ ہمیں اقبال کے اس شعر کی عملی تفسیر کا بھی شدت سے انتظار ہے۔

کس نبا شد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرح مبیں ایں است و بس

آپ دولت سے ہمالیہ بنانے کی باتیں کر رہے ہیں حالانکہ کسی اسلامی فلاحی معاشرے میں فالتو دولت کی تقسیم خود بخود ہو جاتی ہے اور انسان دولت سے ہمالیہ کھڑا نہیں کر سکتا۔"

شہزاد اسلم (کرینٹ گروپ آف انڈسٹریز):۔

"پاکستان نے بلاشبہ ترقی کی ہے۔ خوش حالی نظر آتی ہے۔ آزادی سے قبل مسلمانوں کی جو حالت تھی' اس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ مسلمان معاشی' سماجی اور تعلیمی لحاظ سے کسی شمار و قطار میں نہ تھے۔ بزنس اور صنعتی میدان میں مسلمان ہندو سے بہت پیچھے تھے اور اگر قائد اعظم آزادی لے کر نہ دیتے تو آج مسلمانوں کی حالت کا اندازہ ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

قائد اعظم نے بر صغیر کے مسلمانوں پر ایک احسان عظیم کیا ہے اور ہم پاکستانیوں کو اس کا احساس کرنا چاہئے۔ ناشکری ہماری قومی عادت بن گئی ہے۔

آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر ان قوموں سے پوچھنی چاہئے جو آج بھی غلامی کے طوق میں جکڑی ہوئی ہیں۔ یہاں یہ بات ہوئی ہے کہ پاکستان نے وہ ترقی نہیں کی' جو اس عرصے میں ہمارے ہم عصر ممالک نے حاصل کی ہے۔ ہم لوگ اپنی حالت کا موازنہ سنگا پور' ملائشیا' فلپائن' ہانگ کانگ' جنوبی کوریا اور تائیوان سے کرتے ہیں۔ بلاشبہ ان ممالک نے مختصر سے عرصے میں بے مثال ترقی کی ہے۔ اور جنوبی کوریا نے تو پاکستان کے پنج سالہ منصوبوں کی نقالی کر کے ترقی اور خوشحالی کے مدارج طے کئے ہیں۔ یقیناً یہ موازنہ مبنی بر حقیقت ہے اور ہمیں ان اسباب کا کھوج لگانا چاہئے جو ہماری پس ماندگی کا باعث بنے۔ اس میں قصور قائد اعظم کا نہیں بلکہ ان کے نا اہل اور ناخلف جانشینوں کا ہے جو طوائف الملوکی میں پڑے رہے اور بالاخر حکومت ان کے ہاتھ سے نکل گئی اور پاکستان سنگین عدم استحکام سے دوچار رہا۔

آج پاکستان میں سیاسی سکون کی کیفیت واپس آئی ہے تو حکومتی پالیسیاں واپس صحیح پٹڑی پر آگئی ہیں۔ کاش! یہ "پلاننگ" قیام پاکستان کے فورا بعد کی حکومتوں نے کی ہوتی تو آج ہمارا شمار فی الواقع ترقی یافتہ اقوام میں ہوتا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

قائد اعظم کا جن لوگوں نے ساتھ دیا' ان میں صاحب ثروت بھی تھے' جاگیردار بھی تھے' زمیں دار بھی تھے لیکن مسلمان عوام کے چھوٹے بڑے ہر طبقے نے پاکستان کی جنگ لڑی۔ یہ ایک تحریک تھی جس میں عوام کی بھرپور شرکت کے بغیر کامیابی ناممکن تھی۔ عام آدمی کی جدوجہد کے بغیر صرف امیروں اور جاگیرداروں کی کوشش سے پاکستان کا حصول ممکن نہیں تھا۔"

افتخار علی شیخ (ایڈووکیٹ اور معروف قومی سیاستدان):۔

" میں پہلے تو مبارک باد دیتا ہوں خالد شمس الحسن کو جنہوں نے "قائد اعظم کا تشنہ تکمیل خواب" لکھ کر تحریک پاکستان کے اہم مگر گمنام گوشے کو پھر منور کیا ہے۔ پاکستان کی تحریک پر نظر ڈالیں تو ہمیں ان صعوبتوں کا خیال آتا ہے جو بانیان پاکستان کو درپیش تھیں۔ ہندو پراپیگنڈے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پاکستان کو دیوانے کا ایک خواب کہا جارہا تھا۔ لیکن داد دیجئے قائد اعظم کے پختہ عزم اور روشن فکر کی کہ انہیں یقین تھا کہ پاکستان معرض وجود میں آئے گا اور انہوں نے مستقبل کی منصوبہ بندی کے لئے زیر بحث کمیٹی کی تشکیل کی۔ اس کمیٹی کے ریزولیشن کی تائید حمید نظامی نے کی۔ وہ تحریک پاکستان کے نوجوان عناصر کے ہراول دستہ کے سپہ سالار تھے۔ قائد کے معتمد اور قائد کی جمہوری فکر اور نظریاتی سوچ کو عام مسلمان تک پہنچانے کا وسیلہ بنے تھے۔

دوسرے رفیع بٹ اس کمیٹی کے ممبر تھے۔ وہ اپنے وقت کے ممتاز صنعت کار تھے۔ جن کی فیکٹری تو لاہور میں تھی لیکن دہلی اور بمبئی میں ان کے دفاتر تھے اور ان کی سپلائی کا دائرہ یورپ تک وسیع تھا۔ انہوں نے بلاخوف و خطر قائد اعظم کا ساتھ دیا اور تحریک پاکستان کو تقویت دینے کے لئے بڑھ چڑھ کر کردار ادا کیا۔ قائد اعظم سے ان کی دوستی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ قائد ان کے کھانوں میں شریک ہوتے رہے اور ان کی فیکٹری میں بھی گئے جہاں ان کی خدمت میں خطیر رقم کی تھیلی پیش کی گئی۔ قائد اعظم دوستی میں بڑے رکھ رکھاؤ کے قائل تھے اور کسی ہمدرد شما کو نزدیک بھی نہ آنے دیتے تھے۔ اس لحاظ سے رفیع بٹ کو قائد کی جو قربت نصیب ہوئی، ہمیں ان کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ قائد نے ان کو اور ہندوستان بھر کے دیگر ممتاز سکالروں، صنعت کاروں، تاجروں اور ماہرین کو کمیٹی میں شامل کر کے ایک عظیم مشن سونپا اور یہ مشن تھا مسلمانوں کی زبوں حالی کے خاتمے کے لئے ٹھوس، سنجیدہ اور قابل عمل منصوبہ بندی کرنا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

اس محفل میں سرمایہ داری کے دفاع کی بات ہوئی ہے۔ جناب آفتاب شیخ نے کھل کر اپنی سرمایہ داری کا دفاع کیا ہے۔ انہوں نے یہ ذکر کر کے کہ ان کے خاندان نے قائد کو ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے کا فنڈ دیا تھا، میرا دل جیت لیا ہے۔ قائد کی جس نے بھی دامے، درمے، سخنے قدمے خدمت کی ہے، وہ ہماری عزت و توقیر کے لائق ہے لیکن سرمایہ داروں کا دفاع اور چیز ہے۔ آفتاب شیخ کو اس بات پر فخر ہو سکتا ہے کہ ان کے خاندان کی ایک سے ۲۶ یا ۵۰ ملیں ہو گئیں اور یوں وہ بڑے سرمایہ داروں میں شامل ہیں

لیکن جناب سرمایہ داری اور سرمایہ کاری میں بڑا فرق ہے۔ آج کے پاکستان میں وہ سرمایہ کاری جس کا تصور قائد اعظم نے کیا تھا، وہ کہاں ہے، کہا جاتا ہے کہ ہم رئیس ہو گئے ہیں۔ مال روڈ پر کاروں کی بہتات ہے۔ جناب یہ ترقی نہیں پستی اور پس ماندگی کی علامات ہیں۔ یہ معاشی ترقی کے مظاہر نہیں ہیں۔ میں چند خاندانوں اور آدمیوں کی ترقی اور پاکستانی عوام کی ترقی و خوشحالی کے فرق کو کیسے ایک سمجھوں۔ میرے نزدیک اس کتاب میں پاکستان کی معاشی ترقی کے بنیادی نکات موجود ہیں اور قائد اعظم کی اقتصادی سوچ کے خدوخال کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اس کتاب کو اپنی صنعتی ترقی و خوش حالی کی منصوبہ بندی کا بنیادی چارٹر بنا سکیں تو نہ صرف تاریخ کے ساتھ انصاف ہو گا بلکہ ہماری جہت بھی بالکل درست ہو گی۔"

www.freepdfpost.blogspot.com

خواب کی تعبیر

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com

میں نے رفیع بٹ کی شخصیت پر پہلی دفعہ دسمبر ۱۹۸۹ء میں قلم اٹھایا۔ ابتداء میں میرے سامنے اس شخصیت کے بارے میں کوئی مواد اور حوالہ موجود نہیں تھا لیکن ان کی موت پر نوائے وقت نے جس انداز سے خبر شائع کی اور ایک خصوصی شذرہ بھی لکھا' اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا کہ رفیع بٹ اپنے دور کی ایک نامور ہستی تھے۔ حمید نظامی کے اخبار نے انہیں بلاوجہ اہمیت نہیں دی تھی۔ میرے اس آرٹیکل کے بعد تحقیق کا ایک سلسلہ چل نکلا۔ امتیاز رفیع بٹ نے اپنے والد کے کارناموں کا سراغ لگانے کا بیڑہ اٹھالیا اور یوں کڑی سے کڑی ملتی چلی گئی۔ امتیاز نے "قائد اعظم رفیع بٹ خط و کتابت" کو ایک خوبصورت کتاب کی شکل دی اور اسے ملکی اور عالمی سطح کی مشہور شخصیات نے سراہا۔ اس کتاب کی تقریب رونمائی کی صدارت وزیر اعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے کی۔ یہ رفیع بٹ ہی نہیں خود امتیاز بٹ کے لئے بھی ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ایک لحاظ سے بیٹا اپنے والد کے نقش قدم پر چل رہا تھا۔

www.freepdfpost.blogspot.com

امتیاز نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے والد کی سوانح عمری کے پراجیکٹ کو بھی مکمل کر لیا ہے۔ میرے علم میں بات آئی ہے کہ ڈاکٹر رضی واسطی یہ سوانح عمری لکھ چکے ہیں اور یہ اشاعت کے لئے پریس میں جا چکی

ہے۔ امتیاز کے لئے فخر کی ایک بات یہ بھی ہے کہ اس سوانح عمری کی تدوین و ادارت میں نامور مفکر اکبر ایس احمد نے بھی قیمتی مشوروں سے نوازا ہے۔

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ امتیاز رفیع نے اس منزل کو پالیا ہے، جس کی طرف اس نے دسمبر ۸۹ء میں انتہائی عاجزی سے سفر کا آغاز کیا تھا۔ آج امتیاز رفیع بٹ صرف زیتون پلازہ اور ایمپائر سنٹر وغیرہ کے مالک ہونے کی حیثیت سے محض ایک بلڈر کے طور پر ہی جانا پہچانا نہیں جاتا بلکہ جناح رفیع فاؤنڈیشن کے سربراہ کے طور پر وہ اس معاشرے کا ایک نہایت اہم جزو ہے۔ باپ کی طرح اس کی نظر بلندیوں پر ہے۔ امتیاز کو اب مزید آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ ایک متحرک انسان ہے۔ ایک سیماب صفت نوجوان ہے۔ اس کا شاندار ماضی اس کے مستقبل کی تابناکی کا شاہد ہے۔ امتیاز کو فخر ہے کہ اس کا باپ ایک صنعتکار ہوتے ہوئے قومی و ملی مقاصد کو پیش نظر رکھتا تھا۔ امتیاز سے یہ "امتیاز" کوئی نہیں چھین سکتا کہ اس کا باپ قائد اعظم کا قریبی ساتھی تھا۔ یہ اعزاز آج کے معاشرے میں ہر کسی کو حاصل نہیں۔ اور مجھے یک گونہ راحت اور خوشی ہے کہ امتیاز کی راہیں روشن کرنے میں میرا بھی خون جگر جلا ہے۔ امتیاز کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس نے رفعتوں کا سفر بڑی تیزی سے طے کیا ہے۔ اس نے اپنے والد مرحوم رفیع بٹ کا کھوج لگانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے والد گرامی کی سوانح عمری، تحریک پاکستان کا ایک نادر سرمایہ ثابت ہوگی۔ اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ امتیاز جس طرح اپنی والد کی صفات کا مجسمہ ہے، اس کا کردار بھی اپنے والد کی طرح لافانی ہو گا۔ امتیاز کو اس کے لئے ابھی بہت کچھ

www.freepdfpost.blogspot.com

کرنا ہے۔ وہ دنیا کے ایک وسیع سٹیج پر کھڑا ہے۔ اس کے سامنے لامحدود امکانات ہیں' معاشرتی طور پر اسکی حیثیت مسلمہ ہے اور وہ باپ کی طرح سیاست اور صنعت میں قدم رکھے تو عزت اور ناموری اس کے لئے یقیناً فرش راہ ہوگی۔

میں نے امتیاز کی زندگی کو بدلنے میں ایک کردار ضرور ادا کیا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے تحریک پاکستان کے ایک خفیہ گوشے کو عوام کے سامنے رکھا۔ میں نے اس سلسلے میں جو بھی کاوش کی' یہ کتاب اس کا ایک آئینہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ امتیاز کے لئے میری یہ حقیر سی کاوش مہمیز کا کام دے گی اور وہ مستقبل کو اپنے تابناک ماضی سے درخشاں کر سکے گا۔ امتیاز کو اب آگے ہی آگے بڑھنا ہے۔۔۔ مستقبل اس کا ہے۔۔۔ اور وہ اس کا حقدار ہے۔

www.freepdfpost.blogspot.com

www.freepdfpost.blogspot.com